رُوحوں کاشی
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

موت کا تعاقب ۔ ۵

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

رُوحوں کا شہر

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

فہرست:

موت کا دریا

بُرے پھنسے

ڈاکو آ گئے

روحوں کا شہر

موہنجو داڑو کی طرف

مصر کا بازار

پُراسرار مسافر

پُجاری کا قتل

زہری سانپ

آگ میں جلا دو

سُنو پیارے بچّو!

بابل اور ملک نینوا کی تہذیب مٹ گئی۔ شہر بابل کو جلا کر اُس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔ پُراسرار مندر کی رقاصہ عنبر سے ملتی ہے اور آگ کے شعلوں میں ناچتے ہوئے اُسے کہتی ہے کہ وُہ موہنجو داڑو آکر اُسے ملے۔ وُہ اس قدیم شہر کے ایک کھنڈر کے غار میں رہتی ہے۔

عنبر شہر بابل کو آگ کے شعلوں میں جلتا دیکھ کر وہاں سے نکلتا ہے اور ایک قافلے کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچتا ہے۔ یہاں سے وُہ ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر ہندوستان کے ساحل پر آتا ہے اور ایک کاروان سرائے میں اُترتا ہے۔ موہنجو داڑو یہاں سے دو راتوں کے فاصلے پر ہے۔ عنبر کے ساتھ ایک پُراسرار مسافر لگا ہے جو اصل میں موہنجو داڑو کے بادشاہوں کے خزانے کی تلاش میں ہے۔ عنبر موہنجو داڑو پہنچتا ہے تو وہاں ایک عورت کو اس کے مُردہ خاوند کے ساتھ چِتا پر جلایا جا رہا ہے۔ چِتا کو آگ لگتی ہے تو عنبر کُود کر چِتا میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ وُہ بے گناہ عورت کو زندہ جلنے سے بچانا چاہتا ہے۔

کیا وہ سُتی ہونے والی عورت کو بچا کر لے گیا؟

یہ راز آپ پر اِس ناول کو پڑھنے کے بعد کُھلے گا۔

موت کا دریا

•

ویران صحرا میں عنبر اکیلا سفر کر رہا تھا۔
نینوا سے چلے اُسے دو دن ہو گئے تھے۔ تیسرے روز بھی صحرائی ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے دُور دُور تک پھیلے ہوئے نظر آتے تو عنبر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ کیونکہ اس کے اندازے کے مطابق اسے اب تک مُلک شام کی سرحدوں کے اندر ہونا چاہیے تھا لیکن صحرا ختم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ اُس نے سوچا کہیں وُہ بھٹک تو نہیں گیا؛ وگرنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تین دن تک وُہ صحرا میں چلتا رہے اور آبادی کا نام و نشان تک دکھائی نہ دے۔ اُسے تو خیر پیاس کا احساس نہیں ہوتا تھا مگر اُس کا گھوڑا پیاسا تھا اور اُسے پانی کی اشد ضرورت تھی۔ مگر پانی وہاں دُور دُور تک نظر نہ آتا تھا۔ شام تک گھوڑا پیاس سے نڈھال ہو کر قدم قدم چلنے لگا اور آخر ایک جگہ رُک گیا۔ عنبر گھوڑے پر سے نیچے اُتر آیا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک جگہ باندھا اور خود اُس کے لیے پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ صحرا میں ایک درخت ہوتا ہے جس پر صرف کانٹے اُگتے ہیں۔ یہ درخت زمین سے نمی چوستا رہتا ہے اور اُس کا تنا کچھ عرصے کے بعد پھول کر

مشک کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس مشک میں اتنا پانی بھرا ہوتا ہے کہ اس سے پچاس آدمی اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکلتے ہی عنبر کو سامنے یہ درخت دکھائی دیا۔ اس نے فوراً گھوڑے کو ساتھ لیا اور درخت کے پاس جا کر کھڑا کر دیا۔ پھر اس نے خنجر نکال کر درخت کے ڈھول پر شگاف ڈال دیا۔ خنجر کے لگتے ہی درخت میں سے پانی بہنا شروع ہو گیا۔ گھوڑے نے شفاف پانی کو دیکھا تو بڑی بے تابی اور شوق سے پینے لگا۔ گھوڑا پانی پی کر سیر ہو گیا تو عنبر نے بھی تھوڑا پانی پی کر پیاس بجھائی۔

وہ پھر سفر پر چل پڑا۔ مگر اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے اور صحرا کی بھول بھلیوں میں خدا جانے کہاں سے کہاں نکل آیا ہے۔ لیکن سوائے آگے چلتے رہنے کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ رک جائے تو کیا کرے؟ واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صحرا میں اگر انسان ایک بار راستہ بھول جائے تو واپس پلٹنے پر وہ ہمیشہ کے لیے صحرا میں گم ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور پھر کسی جگہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے اور گدھ اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ اس کے باوجود عنبر کو اس بات کی تشویش تھی کہ وہ سیدھا راستہ تلاش کرے اور اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ مگر اس کی منزل کہاں تھی؟

وہ گھوڑے پر سوار قدم قدم چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے شام ہو گئی۔

وہ چلتا چلا گیا۔ پھر شام کے سائے گہرے ہوگئے اور ستارے نکل آئے۔
ستاروں کے حساب سے اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ مشرق کی طرف
چل رہا ہے اور شام کی سرحد سے کافی دُور ہٹ گیا ہے۔ وہ
پریشان ہوگیا۔ مشرق میں وہ کدھر جا رہا تھا؟ اُسے کوئی خبر نہیں
تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی خفیہ طاقت اُسے اپنے پیچھے پیچھے
لیے چلی جا رہی ہے۔ وہ رُکنے کی کوشش کرتا تو اُس کا دِل رُکنے کو
نہ چاہتا۔ وہ آدھی رات تک چلتا رہا۔ گھوڑا بھوک سے نڈھال ہونے
لگا۔ اُس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ صحرا میں گھاس کا ایک تنکا
بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اُس نے مجبور ہو کر بلطیس کی بہن
اور طلالہ کی رُوح کو آواز دی۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ یوں
محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک ایسی موت کی وادی میں داخل ہوچکا
ہے جہاں زندہ رُوحوں کا عمل دخل بالکل نہیں ہے۔

اُس نے بزرگ درویش اناطول کی رُوح کو پکارا۔ اُس کی مقدس
رُوح نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اب تو عنبر بڑا گھبرا گیا۔ خدا جانے وہ
کس بلا میں گرفتار ہوگیا تھا۔ کہیں وہ موت کے سفر پر تو نہیں چلا
جا رہا؟ ایک پل کے لیے تو اُسے اطمینان ہوا کہ وہ موت کی طرف
جا رہا ہے اور اِس ہمیشہ کی زندگی سے اب تنگ آگیا تھا اور
مر جانا چاہتا تھا۔ وہ زمین پر دو ہزار سالوں سے زندہ تھا اور
ابھی خدا جانے اُسے کتنے ہزار سال اور زندہ رہنا تھا۔ انسان ایک

سو سال کی زندگی سے تنگ آ جاتے ہیں۔ اُس نے دو ہزار برس میں لاکھوں قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ اسے کئی بار ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کئی بار اُس کے سینے میں خنجر گھونپا گیا تھا۔ اُس کی گردن پر تلوار کا وار کیا گیا تھا۔ اس کے اُوپر ہاتھی پھرایا گیا تھا۔ اُس کے دل پر تیروں کی بارش کی گئی تھی۔ اُسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا اور اُسے سمندر میں پھینکا گیا تھا۔ مگر وُہ ہر بار زندہ رہا تھا۔ ہر قسم کی اذیت برداشت کر کے بھی زندہ رہا تھا۔ یہ اذیت اُس نے بار بار برداشت کی تھی۔

اُس نے سوچا کہ اگر وُہ واقعی موت کی وادی میں داخل ہو چکا ہے تو اُسے ربِ عظیم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آخر اُس نے عنبر کی دعا سُن لی اور اُسے موت ایسی نعمت عطا کر دی۔ جو عام لوگوں کے لیے ایک مصیبت اور اُس کے لیے ایک رحمت بن گئی تھی۔ مگر اسے اپنے اُوپر موت کی کمزوری یا نقاہت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اُس پر نزع کا عالم بھی طاری نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھ ٹھیک تھی۔ ہاتھ پاؤں درست تھے۔ وہ ٹھیک دیکھتا اور سُنتا تھا۔ وُہ ذرا سی بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ مَر بھی نہیں رہا، وُہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ پھر آخر وہ کس منزل کی طرف جا رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد اُس نے گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا اور خود

ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی ہوا چلی تو اُسے نیند آنے لگی اور وہ اونگھنے لگا۔ اچانک اُسے یوں لگا جیسے کوئی نرم نرم شئے اُس کی پنڈلی کے اوپر سے سرکتی ہوئی گزر رہی ہے۔ اُس نے ہاتھ پرے ہٹا کر دیکھا تو وہ ریت کا ایک انتہائی زہریلا سانپ تھا۔ عنبر نے یوں ہی اُس سے کھیلنے کے لیے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سانپ نے جھنجلا کر پھنکار ماری اور عنبر کے ہاتھ پر کاٹ کھایا۔ سانپ کا زہر تو خیر عنبر کے جسم میں کیا پھیلتا، ہاں عنبر کے خون کا زہر سانپ کے جسم میں ضرور پھیل گیا اور وہ دیکھتے دیکھتے تڑپنے لگا اور کچھ دیر تڑپ کر مر گیا۔ عنبر کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ وقت گزارنے کے لیے اس سانپ سے کچھ دیر کھیلنا چاہتا تھا۔ لیکن بے وقوف سانپ نے خواہ مخواہ اُسے کاٹ کھایا اور مر گیا۔

سانپ کے زہر سے عنبر پر کچھ زیادہ ہی غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔ وہ کافی دیر سویا رہا جب اس کی آنکھ کھلی تو پو پھٹ چکی تھی۔ آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا۔ عنبر نے بیدار ہوتے ہی دیکھا کہ اس کا گھوڑا غائب ہے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف غور سے تکنے لگا۔ مگر یوں لگتا تھا کہ اُس کے گھوڑے کو آسمان نے اٹھا لیا یا زمین اسے ہڑپ کر گئی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی گھوڑے کا کہیں نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خدا جانے وہ کہاں چلا گیا۔

ابھی عنبر اپنے گمشدہ گھوڑے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ اِس قسم کی آواز سنائی دی جیسے کہیں چشمے کا پانی بہہ رہا ہو۔ وہ چونکتا ہو گیا۔ گھوڑا ضرور اِسی چشمے کی آواز سُن کر پانی پینے چلا گیا ہوگا۔ وہ آواز کے تعاقب میں چل پڑا۔ آواز ذرا فاصلے پر سے ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ عنبر ریت کے ٹیلے کے پاس پہنچ کر مُڑ گھوما تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ صاف شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ پانی ایک اونچے پتھر سے گر کر نیچے ٹیلے کے دامن میں چلا جا رہا تھا۔ عنبر نے پانی پی کر منہ ہاتھ دھویا اور بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ اگر اُس کا گھوڑا اِدھر بھی نہیں آیا تو اُسے کیا کوئی صحرائی شیر کھا گیا ہے؟ مگر شیر کھاتا تو گھوڑے کی ہنہنانے کی آواز سنائی دیتی۔ کہیں اُس کے خون کے دھبے ہی ملتے۔ آخر ایسا شیر کون تھا کہ سالم کے سالم گھوڑے کو اُٹھا کر میلوں دُور لے گیا۔

عنبر نے گھوڑے کو بُھلا دیا اور اُس کے بارے میں سوچنا بند کر دیا۔ بہرحال گھوڑا اُس سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا تھا اور اب اسے صحرا میں باقی سفر بغیر گھوڑے کے ہی طے کرنا تھا۔ لیکن وہ اپنے سفر کے بارے میں ہی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کہاں سے کدھر اور کِدھر سے کہاں جائے گا۔ بلکہ اُس نے تو ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ کم از کم گھوڑا تو بھول بھلیوں کی مصیبت سے چُھوٹا۔

وہ غریب بے زبان جانور خواہ مخواہ اُس کے ساتھ پریشان ہو رہا تھا۔
بیٹھے بیٹھے اچانک عنبر کو خیال آیا کہ دیکھنا چاہیے یہ چشمے کا پانی جاتا کدھر کو ہے ؟ اب دن نکل آیا تھا اور صحرا میں سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ عنبر اُٹھ کھڑا ہُوا اور چشمے کے پانی کے ساتھ ساتھ آگے چلنے لگا۔ پانی ایک چھوٹے سے نالے کی شکل میں ٹیلے کا چکر کاٹ کر دوسرے ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہاں سے ایک اور چکر کاٹنے کے بعد پانی کی لکیر ذرا چوڑی ہوگئی تھی اور نشیب میں سے ہو کر ایک پتھریلے ٹیلے کے دامن میں چلی گئی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اب میں بھٹک تو گیا ہی ہوں۔ کیوں نہ یہ معلوم کیا جائے کہ چشمے کا پانی بجائے ریت میں جذب ہوکر خشک ہونے کے آخر جاتا کس طرف کو ہے۔
سخت پتھریلے ٹیلے کے دامن میں آیا تو عنبر نے دیکھا وہاں ایک غار سا تھا اور پانی ایک نالے کی صورت میں غار کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ غار کا منہ کافی کھُلا تھا اور اندر جانے کو باقاعدہ راستہ تھا۔ پانی اس راستے کے ساتھ ساتھ ہو کر اندر کی طرف بہہ رہا تھا۔ عنبر غار میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا چشمے کے پانی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ غار اندر سے کھُلا اور کشادہ ہونا شروع ہو گیا۔ عنبر چونکہ ایک بے خوف شہزادہ تھا اور اس قسم کی مہمیں سر کرتا آیا تھا۔ اس لیے وہ ذرا نہ گھبرایا اور بڑھتا گیا۔

وُہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ چشمے کا پانی جاتا کہاں ہے؟
غار ایک جانب گھوما تو سامنے سے روشنی نظر آنے لگی۔ غار
کے اندر سے کچھ دُوسرے چشموں کا پانی بھی مِل گیا تھا اور نالہ چوڑا
ہوگیا تھا۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ روشنی پہاڑ کے اندر کہاں سے
آرہی ہے؟ جُوں جُوں وہ روشنی کے قریب ہو رہا تھا غار کشادہ
ہوتا جا رہا تھا اور روشنی پھیلتی پھیلی جا رہی تھی۔ پھر ایک جگہ غار
میں چشمے کے نالے نے چکر کاٹا تو سامنے ایک کشادہ میدان سا
آگیا۔ جس کے دونوں طرف پہاڑ کی ڈھلان تھی۔ عنبر بڑا تعجب کرنے
لگا کہ یہ پہاڑ کے اندر ہی اندر میدان کہاں سے آگیا۔ چشمے کا
پانی ایک نالے کی صورت میں ایک طرف ہٹ کر بہہ رہا تھا۔
کنارے کنارے ہری ہری کانٹے دار گھاس اُگی ہُوئی تھی۔ میدان
کے بائیں جانب پتھروں کی کچھ دیواریں سی کھڑی تھیں۔ عنبر اُن دیواروں
کی طرف بڑھا۔ یہ دیواریں کسی پُرانے مکان کی تھیں جن کی چھتیں
پہاڑ کی چھت کے ساتھ مل گئی تھیں۔ فرش پر جگہ جگہ بجھی ہُوئی لکڑیاں
بکھری پڑی تھیں۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں سے لوگ ابھی
ابھی کہیں اُٹھ کر گئے ہیں۔ کیوں کہ بعض لکڑیاں ابھی تک سُلگ
رہی تھیں۔ عنبر دوسری چار دیواری میں داخل ہُوا تو اُسے وہاں
گوشت کی بُو محسوس ہُوئی۔ اُس نے غور سے دیکھا تو غار میں ایک
گھوڑے کا ثابت پنجر پڑا ہوا تھا۔ پنجر پر ابھی تک سُرخ سُرخ

تازہ گوشت چمٹا ہوا تھا۔

کہیں یہ اُس کا گھوڑا تو نہیں ؟

مگر سوال یہ ہے کہ اس کا گھوڑا وہاں کیسے آ گیا۔ کیا اُسے کوئی شیر اُٹھا کر لے آیا تھا ؟ اگر شیر اُٹھا کر لاتا تو ریت پر کم از کم اُس کے پنجوں کے نشان ضرور ملنے چاہئیں تھے۔ عنبر کو اپنے گھوڑے کی موت پر بے حد صدمہ ہُوا۔ اُس نے دوسری کھوہ میں جھانک کر دیکھا تو وُہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اِس کھوہ میں انسانی ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے انبار لگے تھے۔ کیا وہ کسی آدم خور قبیلے کی بستی میں نکل آیا تھا ؟ عنبر کے بدن میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس لیے کہ وہ پہلی بار آدم خوروں کی بستی دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے سوچا ہو سکتا ہے یہ کھوپڑیاں زمانہ قدیم کی ہوں اور کسی بادشاہ نے اپنے دشمنوں کو غار میں ہلاک کر کے دفن کر دیا ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ پھر گھوڑے کی لاش کا پنجر وہاں کس لیے پڑا تھا ؟

وُہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔

یہ آوازیں دُور سے آ رہی تھیں اور آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ عنبر جلدی سے وہاں سے ہٹ کر غار میں ایک خفیہ جگہ پر چُھپ گیا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں اُس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ سب کو دیکھ سکتا تھا۔ آدمیوں کی آوازیں میدان کی دُوسری جانب سے اُس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر یہ آوازیں قریب

آتے آتے بہت نزدیک سے سنائی دینے لگیں اور اب عنبر نے دیکھا کہ پندرہ بیس آدمیوں کا ایک گروہ کسی قیدی کو زنجیروں میں جکڑے دھکیلتا ہُوا لیے چلا آرہا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ وحشی آدم خور معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے تن ڈھانپنے کو صرف ایک گھاس پھونس کی جھالر کمر کے گرد باندھ رکھی تھی۔ اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جس قیدی کو وُہ گرفتار کر کے لا رہے تھے اُس نے بھی کمر کے گرد صرف گھاس پھونس کی جھالر سی ٹکا رکھی تھی۔

قیدی کے چہرے پر خوف و ہراس چھایا ہُوا تھا۔ وحشی اُسے دھکے مار مار کر آگے دھکیل رہے تھے اور وہ بے چارہ بار بار خوف اور دہشت سے پتھروں پر گر گر پڑتا تھا۔ پتھروں کی چار دیواری کے سامنے لا کر وحشیوں نے قیدی کو زمین پر لِٹا کر پتھروں کے ساتھ باندھ دیا اور خود اُس کے ارد گرد رقص کرنے لگے۔ عنبر پتھروں میں چُھپا یہ سب کچھ حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ کچھ وحشیوں نے دو پتھروں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلائی اور لکڑیاں سُلگا دیں۔ دو وحشی غار میں جا کر خشک لکڑیاں لے آئے اور آگ کے اُوپر رکھ دیں۔ قیدی بے چارے کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کو اپنے انجام کی خبر ہو گئی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ وحشی آدم خور اُس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے؛ چنانچہ وہ رو رہا تھا اور بار بار وحشیوں سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا لیکن

وحشی قہقہے لگاتے ہوئے اُسے نیزے کے کچوکے لگا رہے تھے جب آگ خوب زوروں پر روشن ہو گئی تو وحشی آدم خوروں کا سردار اپنی جگہ سے اُٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اٹھا لیے۔

"دیوتاؤں کے نام پر خاموش!"

رقص رُک گیا۔ سارے وحشی ایک دم خاموش ہو گئے۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے اِس قدر ہنگامہ تھا۔ وہاں اب سوئی بھی گرے تو آواز سُنائی دیتی تھی۔ سردار نے کہا:

"قربانی شروع کی جائے"

ایک وحشی نے آگے بڑھ کر اپنے جھولے میں سے سیاہ پتھر کا ایک مکروہ صورت بُت نکالا اور زمین پر آگ کے پاس رکھ دیا۔ قیدی بھیانک نظروں سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ سردار نے خنجر لے کر اپنی کلائی پر زخم لگایا۔ اور زخم میں سے ٹپکتے ہوئے خون کے قطرے آگے بڑھ کر بُت کے اُوپر گرا دیے۔

چاروں طرف وحشیوں نے ایک شور مچایا۔

"دیوتا نے قربانی قبول کر لی، قربانی قبول کر لی۔

سردار نے بلند آواز میں کہا:

"آدمی کی قربانی شروع کی جائے۔

وحشیوں نے اپنی زبان میں نعرہ بلند کیا اور نیزے لے کر زمین پر کس کر بندھے ہوئے قیدی کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے

ہو گئے ۔ صرف ایک پہلو خالی تھا اور یہاں اُن کا سردار بیٹھا تھا۔ عنبر بھی اسی زاویے پر بیٹھا تھا اور وُہ بھی سارا منظر صاف دیکھ رہا تھا۔ قیدی کا رنگ زرد پڑ گیا اور یقیناً اُس کا سارا جسم سُن ہو گیا ہو گا۔ سردار کے اشارے پر ایک وحشی نے اپنا نیزہ فضا میں بلند کیا اور پُوری طاقت سے اُسے قیدی کی ران میں گھبو دیا۔ قیدی نے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور تڑپنے لگا۔ دُوسرے وحشی نے بھی نعرہ لگا کر نیزے کا بھر پُور وار دوسری ران پر کیا۔ خُون کے فوارے اُبلنے لگے۔ تیسرے وحشی نے تیسرا نیزہ قیدی کے بازو میں اُتار دیا اور چوتھے وحشی نے قیدی کا دُوسرا بازو زخمی کر دیا۔ قیدی زخموں سے تڑپ رہا تھا اور وحشی دونوں پہلوؤں سے اُس کا خون سمیٹ کر پی رہے تھے اور پاگلوں کی طرح رقص کر رہے تھے۔

عنبر پتھروں میں چھپا یہ اذیت ناک منظر بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ قیدی کی حالت زار دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وُہ اُسی کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وُہ اکیلا تھا اور وحشی بہت زیادہ تھے۔ وُہ تو اُلّو کی ایک آواز نکال کر سینکڑوں وحشیوں کو جمع کر سکتے تھے۔ عنبر نے قیدی کو اُس کی تقدیر کے بھروسے چھوڑ دیا۔ وُہ اس قدر شدید زخمی ہو گیا تھا کہ اب وہ بے ہوشی کے عالم میں صرف کراہ رہا تھا۔ ایک وحشی نے

رقص کرتے کرتے نیزہ لہرایا اور قیدی کے پیٹ میں گاڑ دیا۔ اُس نے ایک درد انگیز چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ وحشی خوشی سے چیختے چلاتے رقص کرنے لگے۔ قیدی کے اذیت ناک چیخ مارنے کا مطلب یہ تھا کہ دیوتا نے اُن کی قربانی قبول کر لی تھی۔ سردار نے انسانی خون سے ایک پیالہ بھر کر بُت کے آگے رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"اے آسمان کے مالک، ہماری چھوٹی سی قربانی قبول فرما۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی چار وحشیوں نے آگے جھک کر زمین پر جکڑے ہوئے قیدی کے بدن پر تلوار کے چار ہاتھ مارے اور اُس کے جسم کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ قیدی نے پھر کوئی آواز نہ نکالی۔ وہ مر چکا تھا۔ وحشی سردار نے آگے بڑھ کر سب سے بڑا ٹکڑا خود اٹھایا اور اُسے آگ پر رکھ کر بھوننے لگا۔ چند سیکنڈ آگ پر رکھنے کے بعد سردار نے انسانی جسم کے ٹکڑے کو کھانا شروع کر دیا۔ سردار کے حکم پر سارے وحشی خنجر اور تلواریں لے کر قیدی کی لاش پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اپنی اپنی پسند کا گوشت کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔ عنبر سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ دل پر پتھر رکھ کر یہ درد ناک نظارا دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے سارے وحشی پورے کے پورے آدمی کو چٹ کر گئے۔ انہوں نے اُس کی کھوپڑی بھی کھرچ کھرچ کر صاف کر دی۔

ہڈیوں پر سے بھی جگہ جگہ سے گوشت نوچ کر کھا لیا۔ پھر اُنھوں نے ہڈیاں اور کھوپڑی غار کے اندر ایک کھوہ میں پھینک دیں۔

عنبر یہ ساری کارروائی دیکھ کر لرز گیا۔ ایک جیتا جاگتا انسان اِن وحشیوں نے دیکھتے دیکھتے ہڑپ کر لیا تھا۔ وحشی آدمی کو کھانے کے بعد آگ کے گرد بیٹھ گئے اور جلتی لکڑیوں کو اٹھا اٹھا کر دیوتا کے بُت کے اُوپر سے گھمانے لگے۔ پھر انھوں نے سردار کے حکم پر ساری لکڑیوں کو بجھا دیا۔ سردار نے ایک چیخ ماری اور سارے وحشی جدھر سے آئے تھے اُدھر کو اُچھلتے کودتے، قہقہے لگاتے، تیز تیز باتیں کرتے چل پڑے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے عنبر پتھروں میں چھپا بیٹھا رہا۔ جب ان کی آوازیں بھی آنا بند ہو گئیں تو عنبر پتھروں میں سے نکلا اور آگ کے پاس آ کر زمین پر غور سے دیکھنے لگا۔ آگ کے پاس اُسے سونے کا ایک تکون ٹکڑا پڑا نظر آیا اس نے وہ ٹکڑا اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ دیوتا کے بُت کو سردار اپنے جھولے میں ڈال کر واپس اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اُس نے سوچا کہ اس آدم خور غار سے باہر نکل جانا چاہیے۔ یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں اور اب تو عنبر کو اپنی موت کا بھی یقین ہو گیا تھا اور وہ آدم خور وحشیوں کا نوالہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ وہ وہیں سے پلٹا اور واپس چل پڑا۔ لیکن اب اُسے ایک اور تلخ حقیقت کا احساس ہوا۔ جس طرف سے چشمے کا پانی آ رہا

تھا اُدھر سے روشنی آنا بند ہو گئی تھی ۔ وہ اندھیرے میں دُور تک چلتا گیا، مگر اُسے واپسی کی کوئی راہ دکھائی نہ دی ۔ وہ مجبوراً واپس وہیں آگیا جہاں آدم خور لوگوں نے ایک زندہ انسان کو ہلاک کر کے کھا لیا تھا ۔

بُرے پھنسے

عنبر سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے کہ آدمخوروں کی آوازیں پھر آنا شروع ہو گئیں۔

وُہ بھاگ کر اِن ہی پتھروں میں جا کر چُھپ گیا۔ آدمخور اس دفعہ بہت شور مچاتے چلے آ رہے تھے۔ جب وُہ قریب آئے تو عنبر نے دیکھا کہ اُنہوں نے ایک عورت کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ عنبر کا دل دہل گیا۔ تو کیا وُہ اِس بے گناہ عورت کو بھی کھا جائیں گے؟ نہیں نہیں، اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ عورت بے چاری کا رنگ زرد تھا۔ لمبے سیاہ بال شانوں پر بکھرے ہُوئے تھے۔ شکل صُورت سے وُہ کسی اعلیٰ خاندان کی عورت معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے بڑے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ وحشیوں نے اُس عورت کو پتھر کے ایک ستون کے ساتھ لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وُہ اس وقت عورت کو کھانے کا ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ نہ تو سردار نے جھونپڑے میں سے بُت نکالا اور نہ ہی آدمخور وحشیوں نے آگ جلائی تھی۔ عورت بے چاری پتھروں کے ستون کے ساتھ جکڑی ہُوئی تھی۔ سردار نے عورت کے پاس جا کر اُس کے لمبے بالوں کی ایک لٹ چاقو سے کاٹی اور اُسے ہوا میں اُچھال دیا۔ تمام وحشیوں نے اپنی زبان میں فلک شگاف نعرے لگائے۔ وُہ قیدی عورت کے اردگرد جانوروں کی طرح رقص کرنے لگے۔ عورت

نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہونٹ دُور سے کانپتے نظر آ رہے تھے۔
جب وحشی رقص کرتے کرتے تھک گئے تو سردار نے ایک چیخ ماری اور سارے آدم خور خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر کا ہاتھ پھسل گیا اور ایک پتھر اپنی جگہ سے ٹوٹ کر نیچے گر پڑا۔ غار کی خموشی میں پتھر کے فرش پر گرنے سے ایک چھناکا پیدا ہوا۔ سردار اور وحشیوں نے چونک کر اُس طرف دیکھا جدھر عنبر چھپا ہوا تھا۔ وحشی بھاگ کر وہاں پہنچ گئے۔ اُنھوں نے ایک نوجوان انسان کو پتھروں کے پیچھے چھپا ہوا دیکھا فلک شگاف چیخ مار کر کہا:

"پکڑلو، پکڑلو، پکڑلو۔"

سردار نیزہ لہراتا وہاں پہنچ گیا اور اُس نے نوجوان عنبر کو اُسی وقت گرفتار کر لیا۔

"کون ہو، کون ہو! کہاں سے آئے ہو؟"

اور سردار وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنس پڑا۔

"اِس کو بھی جکڑ دو۔ کل دونوں کو بھون کر کھایا جائے گا۔ دیوتا کو تازہ خون کا نذرانہ پیش کیا جائے گا۔"

آدم خوروں نے عنبر کو بھی پکڑ کر عورت کے قریب ہی پتھر کے ستون سے کس کر باندھ دیا۔ سردار کے حکم پر وہ عنبر کے گرد بھی چیخیں مارتے ہوئے رقص کرنے لگے۔ وہ نیزے لہرا رہے تھے اور

بار بار چیخ رہے تھے۔ جب وہ تھک گئے تو سردار کے ساتھ اُچھلتے کُودتے، شور مچاتے ایک طرف کو چل دیئے۔ اس دوران میں قیدی عورت بڑی حیرانی کے ساتھ عنبر کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان وہاں کیسے آ گیا ؟

جب سارے وحشی چلے گئے تو عورت نے اداس لہجے میں پُوچھا:

"اے نوجوان، تُو یہاں کس طرح آ گیا ؟"

عنبر نے پُوچھا :

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم یہاں کیسے پھنس گئی ہو ؟"

عورت نے کہا :

"میرا نام تھائیس ہے اور میں موہنجو داڑو کے ایک تاجر کی بیوی ہوں۔ مَیں اپنے خاوند کے ساتھ ایک قافلے کے ہمراہ سفر کر رہی تھی کہ ان آدم خوروں نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا۔ سامان تو وہیں رہنے دیا اور ہم سب کو پکڑ کر ان غاروں میں لے آئے۔ ان ظالموں نے میرے خاوند کو کھا لیا ہے اور اب یہ مجھے کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مگر تم کون ہو اور ان آدم خوروں کے چنگل میں کیسے پھنس گئے ؟"

"تھائیس، میرا نام عنبر ہے اور مَیں ملک نینوا سے شمالی افریقہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ بھُول گیا اور ان غاروں میں آ نکلا۔ مَیں

یہ معلوم کرنے کے لیے آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اس غار کے اندر کیا ہے کہ مَیں نے دیکھا آدم خور ایک آدمی کو ہلاک کر رہے ہیں۔ مَیں پتھروں کی کھوہ میں چھپ گیا اور باقی جو کچھ ہُوا وہ تم دیکھ چکی ہو۔"

تھائیس نے آہ بھر کر کہا :

" ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ہم آدم خوروں کی خوراک بنیں۔ کاش میں اپنے دیوتا آمون کو اپنی مدد کے لیے پُکار سکتی "۔

" تم اُسے پُکارتی کیوں نہیں ہو تھائیس ؟ اگر وہ دیوتا تمہاری مدد کر سکتا ہے تو یہاں آکر بھی ضرور مدد کرے گا "

" ایسا نہیں ہے عنبر، ہمارا دیوتا آمون صرف اُس حالت میں ہماری مدد کرتا ہے کہ ہم اُس کے مندر میں جا کر بھیڑوں کی قربانی دیں اور اُس کے بُت پر بھیڑوں کا خون گرائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو دیوتا آمون بھی ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا "

" یہ کیسا دیوتا ہے کہ اگر قربانی پیش نہ کی جائے تو وُہ بھی کوئی مدد نہیں کر سکتا جو صرف ایک عبادت گاہ تک ہی محدود ہے اور اُس مندر کے باہر وہ مجبور اور بے بس ہے "

" یہ وقت اِن باتوں کا نہیں عنبر، یہ بتاؤ کہ تمہارا دیوتا اِس وقت ہماری کوئی مدد کر سکتا ہے ؟ "

" مَیں کسی دیوتا کو تسلیم نہیں کرتا "

" تو پھر تم کس کی عبادت کرتے ہو ؟ "

"مَیں ایک ربّ کی عبادت کرتا ہُوں جو عظیم ہے اور سب دیوتا اور کائنات کی ہر شے جس کے ماتحت ہے۔"

"کیا تمہارا ربّ عظیم اِس وقت ہماری مدد کر سکتا ہے؟"

"مجھے اپنے ربّ پر پُورا بھروسہ ہے۔ وُہ میری ضرور مدد کرے گا۔"

"کیا وہ میری مدد بھی کرے گا؟"

"کیوں نہیں؟ وہ تمہاری مدد بھی کرے گا۔"

"مگر میں تو اس کی عبادت نہیں کرتی۔"

"وہ سب کا ربّ ہے، جو اُس کی عبادت کرتے ہیں اُن کا بھی اور جو اُس کی عبادت نہیں کرتے اُن کا بھی ربّ ہے۔"

"تو پھر اپنے ربّ کو آواز دو۔ اُسے مدد کے لیے بلاؤ کہ وُہ ہمیں اِن وحشی آدم خوروں سے نجات دلائے۔"

"وقت آنے پر ربّ عظیم ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

وُہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وحشی آدم خوروں کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ وہ غار میں واپس آ رہے تھے۔ عنبر نے نتاشا کو چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور سرگوشی میں کہا:

"تم بے ہوش ہو جانے کا بہانہ کرو"

"وُہ کس لیے؟"

"جو مَیں کہتا ہُوں ویسا ہی کرو۔ جھوٹ موٹ بے ہوش ہو جاؤ۔"

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ تمہیں بے ہوش دیکھ کر پہلے مجھے کھانے کی کوشش کریں۔"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟ تم پہلے کیوں مرنا چاہتے ہو؟"

"اس لیے کہ اگر انہوں نے پہلے مجھے کھانے کا فیصلہ کر لیا تو پھر تمہاری جان بھی بچ جائے گی۔ کیونکہ وہ مجھے کبھی نہیں کھا سکیں گے۔"

تھائیس عنبر کا منہ تکتی رہی۔ وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی کہ عنبر کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُس کی طاقت اُسے واپس مل گئی ہے اور وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ وحشیوں کی آوازیں اب زیادہ قریب سے سُنائی دے رہی تھیں۔ عنبر نے کہا:

"فوراً بے ہوش ہو جاؤ۔"

تھائیس نے جھوٹ موٹ بے ہوش ہو کر سر نیچے گرا لیا۔ آدم خور اُچھلتے کودتے شور مچاتے، تیز تیز باتیں کرتے اُس جگہ پہنچ رہے تھے جہاں اُنہوں نے دونوں قیدیوں کو اپنی خوراک بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ قریب آ کر ایک حبشی نے چیخ ماری۔ سردار نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ عورت بے ہوش ہو چکی تھی۔ سردار نے اُنگلی سے عنبر کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"پہلے اسے بھون کر کھایا جائے گا۔"

عنبر یہی چاہتا تھا۔ وحشیوں نے پتھروں کو آپس میں رگڑ کر
آگ جلائی۔ تھوڑی دیر میں آگ خوب بھڑک اٹھی۔ آگ کے گرد
وحشیوں نے رقص کرنا اور اونچی آواز میں منتر وغیرہ پڑھنے شروع
کر دیئے۔ جب وہ منتر پڑھ چکے تو انہوں نے عنبر کو ستون سے
کھول کر زمین پر لٹایا اور اُسے زنجیروں سے زمین میں میخیں ٹھونک
کر جکڑ دیا۔ عنبر نے کسی قسم کی بھی مزاحمت نہ کی۔ تھائیس چوری چوری
آنکھ سے یہ سارا ہولناک منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی
کہ آخر عنبر نے سب سے پہلے وحشیوں کی خوراک بننا کیوں پسند کیا؟
یہ بات اُس کی سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن بہت جلد اُس
نے ایک ایسا منظر دیکھا جسے دیکھ کر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں
آرہا تھا۔ سردار نے ہاتھ سے اشارہ کیا:

"اے مقدس دیوتا، ہم تیرے نام پر یہ قربانی پیش کرتے ہیں۔
ہماری قربانی قبول فرما، ہماری قربانی قبول فرما"

سردار نے بُت کو سجدہ کیا:

سردار کے ساتھ ہی سارے وحشی آدم خور سجدے میں گر پڑے
اور بُت کی عبادت کرنے لگے۔ سردار نے سجدے سے اُٹھ کر ایک
چیخ ماری۔ سارے آدم خور سجدوں سے اُٹھ گئے اور زمین پر لیٹے
ہوئے عنبر کے اردگرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ تھائیس کو عنبر
زمین پر لیٹا ہوا صاف نظر آرہا تھا۔ سردار نے اپنا نیزہ فضا میں

بلند کیا۔ ایک چیخ ماری۔ اور اپنی پوری طاقت سے نیزہ عنبر کی ران پر مار دیا۔ تھائیس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ایک بے گناہ نوجوان کا خون بہتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہاں کچھ اور ہی واقعہ ظہور میں آیا جس نے سارے وحشیوں کو پریشان کر دیا۔

سردار نے جونہی پوری طاقت سے نیزہ عنبر کی ران پر مارا نیزہ ٹوٹ کر دوہرا ہو گیا۔ سردار بڑا حیران ہوا۔ اس نے چیخ مار کر دوسرا نیزہ لیا اور ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ نیزہ ہوا میں بلند کر کے عنبر کی دوسری ران پر مارا۔ ایک بار پھر نیزہ عنبر کی ران کے ساتھ لگتے ہی ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار پریشان ہو گیا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سخت پتھر پر نیزے مار رہا ہے۔ اس نے پاگل ہو کر ایک بار پھر نیزہ لے کر عنبر کے پیٹ پر حملہ کیا۔ مگر نیزہ پھر ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار کو بے حد غصہ آیا۔ اس نے کہا :

"قیدی کے سارے جسم پر نیزوں کی بارش کر دو!"

اس حکم کے ملتے ہی وحشیوں نے نیزوں سے عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ اُچھل اُچھل کر عنبر کے جسم پر نیزے مارتے۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے سارے نیزے ٹوٹ کر پرے جا گرے۔ آدم خور وحشی دم بخود سے ہونے لگے۔ سردار نے چیخ کر کہا :

"قیدی کو آگ میں پھینک دو!"

وحشیوں نے زنجیروں میں جکڑے ہُوئے عنبر کو اٹھایا اور دہکتی ہُوئی آگ میں پھینک دیا۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے اور عنبر آگ کے شعلوں میں گُم ہوگیا۔ وحشی آگ کے اردگرد ناچنے لگے تھوڑی دیر بعد وہ رقص کرتے ہُوئے رُکے اور سردار کے اشارے پر اُنھوں نے لکڑیوں سے آگ اِدھر اُدھر ہٹانی شروع کر دی۔ اُن کو یقین تھا کہ عنبر اس وقت تک جل بھُن کر کباب ہوچکا ہوگا۔ مگر سارے وحشیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ عنبر اُسی طرح زنجیروں میں جکڑا آگ کے انگاروں پر بڑے سکون کے ساتھ لیٹا ہُوا تھا۔ سردار دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ عنبر کے جسم پر جلنے کا کوئی معمولی سا نشان بھی نہیں پڑا تھا۔ اس نے زنجیر کو ہاتھ لگایا۔ زنجیر کا لوہا بھی ٹھنڈا تھا۔ آگ نے عنبر پر ذرا سا بھی اثر نہیں کیا تھا۔

سردار لرز اٹھا۔ اُسے یُوں لگا جیسے وہ ایک دیوتا کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ زور سے گھٹنوں پر گرا اور سجدہ ریز ہوگیا۔ اس کو سجدے میں گرتا دیکھ کر سارے وحشی آدم خور سجدوں میں گر پڑے اور منتر پڑھنے لگے۔ ثمائیں یہ منظر دیکھ کر بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔ یہ واقعہ جتنا وحشیوں کے لیے عجیب و غریب تھا اُتنا ہی ثمائیں کے لیے بھی حیرت انگیز تھا۔ وہ بھی کبھی یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ ایک عام انسان آگ میں گرایا جائے، وہ دہکتی ہوئی آگ

میں پڑا رہے اور پھر اس میں سے زندہ سلامت بچ جائے اور آگ اُس کے جسم پر کوئی اثر نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا ایک بال تک نہ جلے۔

سردار کے حکم سے وحشی آدم خوروں نے اُسی وقت عنبر کی زنجیریں کھول دیں۔ عنبر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور آگ میں سے باہر نکل آیا۔ سردار نے سر جھکا کر کہا:

"اے مقدس دیوتا، ہم نے تم سے زیادتی کی ہے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم پر اپنا عذاب نازل نہ کرنا"

عنبر نے سوچا کہ اب یہاں چالاکی سے ہی کام لینا چاہیے۔ اُس نے غصّے میں کہا:

"کم بخت آدم خورو، میں تمہاری ایک ایک حرکت کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ تم نے لوگوں کو بہت پریشان کیا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تم سب کو اسی آگ میں بھسم کر دوں گا"

سردار اور وحشی آدم خور گڑگڑانے لگے۔

"رحم کرو، رحم کرو، اے دیوتا ہم پر رحم کرو"

"سب سے پہلے اِس عورت کو آزاد کرو"

سردار نے لپک کر تھائیس کی زنجیریں کھول دیں۔ وہ آزاد ہو کر عنبر کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"عنبر، ہمارے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ اُس سیاہ فام آدمی نے میرے خاوند کو سب سے پہلے آگ میں دھکا دیا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"سردار، اگر تم اپنے قبیلے کو میرے انتقام سے بچانا چاہتے ہو تو فوراً اس قاتل سیاہ فام وحشی کو ہلاک کر کے آگ میں ڈال دو۔"

"جو حکم مقدس دیوتا!"

سیاہ فام وحشی چیخنے لگا۔ مگر سردار نے بڑے آرام سے اُس کی گردن پکڑ کر مروڑی اور خنجر کے ایک ہی وار سے اُسے ہلاک کر دیا اور پھر آگ میں ڈال دیا۔

"اے مقدس دیوتا، ہم نے تمہاری مرضی پوری کر دی ہے۔ اب ہمیں اپنے عذاب سے بچا اور ہمیں اپنے انتقام کا نشانہ مت بنا۔"

عنبر نے کہا:

"فوراً ہمارے لیے دو گھوڑوں کا بندوبست کرو، نہیں تو میں تم سب کو ابھی کھڑے کھڑے بھسم کر دوں گا۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا:

"گھوڑے ابھی حاضر کرتا ہوں مقدس دیوتا!"

اُس نے زور سے سیٹی بجائی۔ کچھ وحشی ایک طرف کو بھاگے اور تھوڑی ہی دیر میں دو نہایت اعلیٰ قسم کے عربی نسل کے گھوڑے وہاں موجود تھے۔ یہ گھوڑے ان وحشیوں نے قافلے والوں سے

لوٹ رہے تھے اور انہیں کھانے کے لیے پال رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

"ہم دونوں کو یہاں سے باہر جانے کا راستہ بتاؤ۔"

"جو حکم مقدس دیوتا۔"

سردار سر جھکا کر گھوڑوں کی باگ تھامے آگے آگے چل دیا اور عنبر، تھامیس اور وحشی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ غار میں کئی ایک خفیہ موڑ گھومنے کے بعد وہ سب باہر صحرا میں ٹیلے کے پاس نکل آئے۔ عنبر نے سورج کی روشنی اور صحرا کے ٹیلوں پر پھیلی ہوئی دھوپ دیکھی تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"اے آدم خوروں کے سردار، یہ صحرا کس طرف کو جاتا ہے؟"

"اے مقدس دیوتا، اگر آپ مشرق میں چھ روز تک چلتے جائیں تو آپ ایک ایسے ملک میں پہنچ جائیں گے جہاں کے لوگ اپنے مندروں میں بھینس کی پوجا کرتے ہیں۔"

تھامیس نے عنبر سے کہا:

"یہ ہمارے ملک موہنجو داڑو کے بارے میں بتا رہا ہے۔ ہم لوگ بھینسے کی بھی پوجا کرتے ہیں اور دیوتا آمون کی بھی عبادت کرتے ہیں۔"

"کیا تمہارا ملک یہاں سے چھ دن اور چھ راتوں کے فاصلے پر ہے؟"

"میرا خیال ہے اتنا ہی فاصلہ ہو گا۔ ہم چھٹے روز یہاں پہنچے تھے کہ ہمارے قافلے کو ان آدم خوروں نے لوٹ لیا۔"

عنبر نے سردار سے کہا : "ٹھیک ہے، اب تم جا سکتے ہو۔"
سردار اور سارے وحشی آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ عنبر اور تھائیس گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صحرا میں مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وحشی لوگ سجدوں سے اٹھے اور منتر پڑھتے واپس غار میں جانے لگے۔

تھائیس خود بڑی حیران تھی کہ عنبر آگ سے کیسے بچ گیا۔ اُس نے آخر پوچھ ہی لیا۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا :

" اس کا جواب میں تمہیں سوائے اس کے کچھ نہیں دے سکتا کہ میرے ربِ عظیم نے میری مدد کی تھی۔"

تھائیس بولی :

" عنبر، میں تمہارے ربِ عظیم پر آج سے ایمان لاتی ہوں۔"

" مجھے خوشی ہوئی ہے تھائیس کہ تم نے انتہائی عقلمندی سے کام لیا ہے۔"

تھائیس نے عنبر کے ربِ عظیم کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے ہماری مدد کرتے دیکھا ہے۔ پھر میں کیسے ان بتوں کی پُوجا کروں جو اپنے چہرے پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے۔

ڈاکو آ گئے

•

صحرا میں اُن دونوں کا بھیانک سفر شروع ہو گیا۔
تھائیس کو عنبر کے ربِ عظیم پر گہرا یقین ہو گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو عنبر کے ساتھ بہت محفوظ خیال کر رہی تھی۔ مگر اُن دونوں میں سے کسی کو بھی یہ یقین نہیں تھا کہ وُہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں کہ راستے سے بھٹک چکے ہیں۔ کیوں کہ انہیں صحرا میں سفر کرتے ہُوئے تیسرا دن گزر رہا تھا اور آبادی کا کہیں دُور دُور تک بھی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے تھائیس سے پُوچھا:

"کیا تم اپنے قافلے کے ساتھ اسی صحرا میں سے سفر کرتی وہاں پہنچی تھیں تھائیس ؟"

"کچھ اندازہ نہیں ہو رہا۔ کسی وقت لگتا ہے کہ یہی راستہ تھا اور کسی وقت یہ سارا صحرا اور ریت کے ٹیلے اجنبی معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"بہرحال ہمیں سفر جاری رکھنا ہے۔ ربِ عظیم نے چاہا تو کسی نہ کسی روز اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

دو روز سے وُہ صحرا کی جڑی بوٹیاں کھا کر اور کہیں کہیں کسی

چشمے سے پانی پی کر گزارہ کر رہے تھے۔ چوتھے روز بھوک اور پیاس نے انہیں اور ان کے گھوڑوں کو نڈھال کر دیا۔ عنبر نے کہا:

"گھوڑوں کی جگہ اگر ہمارے پاس اونٹ ہوتا تو وہ زیادہ دن تک بھوکا پیاسا رہ کر سفر کر سکتا تھا۔"

"مگر اب کیا ہوگا عنبر، بھوک اور پیاس نے میرا برا حال کر دیا ہے۔"

عنبر کو صبح ہی سے ہوا میں سمندر کے پانی کی بُو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کہا:

"ہوا میں سمندر کی بُو ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم سمندر کے کنارے پہنچنے والے ہیں۔"

"لیکن عنبر سمندر کا کڑوا پانی ہماری پیاس نہیں بجھا سکتا۔"

"سمندر کے کنارے ہمیں کھجوروں کے درخت ضرور مل جائیں گے اور ہم کھجوریں کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتے ہیں۔"

وہ ہمت کر کے اس طرف سفر کرنے لگے جدھر سے سمندر کی ہوا آ رہی تھی۔ عنبر کا اندازہ درست تھا۔ ہوا سمندر کی جانب سے آ رہی تھی اور سمندر وہاں سے ایک دن کے سفر پر تھا۔ سفر کرتے کرتے شام ہو گئی تو ثمامہ گھوڑے پر سے اتر کر ریت پر لیٹ گئی۔

اب مجھ سے نہیں سفر ہوتا عنبر، پیاس نے مجھے بے بس کر

دیا ہے۔"

تھائیس کا واقعی حال خراب ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے اور ہونٹوں پر پیاس کی وجہ سے پپڑیاں جم گئی تھیں۔ عنبر نے کہا:

" تم یہاں تھوڑی دیر آرام کرو۔ میں کہیں نہ کہیں سے پانی کی تلاش کرتا ہوں۔"

" مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ عنبر، مجھے ڈر لگتا ہے۔"

" تمہیں ذرا ہمت سے کام لینا ہوگا تھائیس، اگر ہم نے ہمت ہار دی تو پھر اس ظالم صحرا سے زندہ سلامت بچ کر نہ نکل سکیں گے۔ مجھے یقین ہے یہاں قریب ہی کوئی نہ کوئی چشمہ ضرور ہوگا۔ میں ابھی تمہارے لیے پانی کی چھاگل بھر کر لاتا ہوں۔"

" دیر نہ کرنا عنبر، اگر پانی نہ بھی ملے تو واپس آ جانا۔ مجھے اکیلے میں بڑا ڈر لگتا ہے۔"

" فکر نہ کرو، میں بڑی جلدی واپس آ جاؤں گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس طرف چل پڑا جدھر اُس کا خیال تھا کہ پانی کا چشمہ اُسے ضرور مل جائے گا۔ چلتے چلتے وہ کافی آگے نکل آیا اور تھائیس اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ خیال کرتا کہ اُس ریت کے ٹیلے کے پیچھے چشمہ ضرور بہہ رہا ہوگا۔ جب وہاں پہنچتا تو سوائے ریت کے کچھ نظر نہ آتا۔ پھر وہ پانی کے

چشمے کی امید میں دوسرے ٹیلے کی جانب چل پڑتا۔ اسی طرح چلتے چلتے وُہ بہت دُور نکل گیا۔ اچانک ایک جگہ فاصلے پر اسے کھجور کے درختوں کے جھنڈ نظر آتے۔

"نخلستان!"

وہ خوشی خوشی کھجور کے جھنڈوں کی طرف بڑھنے لگا۔ کیونکہ کھجور دل کے جھنڈ کا مطلب یہ تھا کہ وہاں ضرور پانی کا چشمہ موجود ہے۔

اُدھر تھائیس زمین پر لیٹے لیٹے صحرا سے خوف کھانے لگی۔ عنبر اس کے ساتھ تھا تو اُسے بڑا حوصلہ تھا۔ اب وہ اکیلی رہ گئی تھی اور ڈرنے لگی تھی۔ شام کے سائے آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ اچانک اُسے اپنے پیچھے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے سوچا کہ عنبر پانی لے کر واپس آگیا ہے۔ مگر یہ اس کا وہم تھا۔ کیوں کہ تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکوؤں کا ایک خونخوار گروہ اس کے ارد گرد کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ ڈاکوؤں کو دیکھ کر تھائیس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ڈاکوؤں کا سردار جابر مسکرایا اور بولا:

"بڑا عمدہ مال ہے۔ ذرا بھوکا پیاسا ہے اُسے کھلا پلا کر موٹا کر دیں گے اور یروشلم میں سونے کے سکوں کے عوض فروخت کر دیں گے۔"

تھائیس کانپ گئی۔ ڈاکو قہقہے لگا کر ہنسے۔ سردار نے اشارہ کیا۔

ڈاکوؤں نے آگے بڑھ کر ستھائیں کو اونٹ کے کجاوے میں ڈال لیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ ستھائیں چیختی چلاتی رہ گئی۔ مگر کسی نے اس کی فریادوں پر کان نہ دھرا۔ وہ ڈاکوؤں کا بڑا وحشی گروہ تھا اور یہ لوگ قافلے بھی لوٹتے تھے اور عورتوں بچوں اور غلاموں کو لے جا کر دوسرے شہروں میں فروخت کر دیتے تھے۔ اس زمانے میں اس قسم کے غلاموں اور کنیزوں کی منڈیاں لگتی تھیں۔ جہاں سے لوگ اپنی اپنی پسند کے مطابق غلام اور کنیزیں خرید لیتے تھے۔

ڈاکوؤں کا قافلہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر رہا تھا کیونکہ اُن کے گھوڑے اور اونٹ تازہ دم تھے۔ اُدھر عنبر کھجوروں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں ٹھنڈے اور شفاف پانی کا ایک چشمہ جاری ہے۔ عنبر نے گھوڑے سے اُتر کر اُسے پانی پلایا۔ خود بھی پانی پیا اور چھاگل میں ستھائیں کے لیے بھی بھر لیا۔ اب وہ جلدی سے واپس پہنچ کر ستھائیں کو پانی پلانا چاہتا تھا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور تیزی کے ساتھ اس طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں وہ ستھائیں کو ریت پر لیٹا ہوا چھوڑ آیا تھا۔ اگرچہ شام کے سائے بڑھنا شروع ہو گئے لیکن ابھی صحرا میں غروب ہوتے سورج کی کافی روشنی باقی تھی اور اُسے راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر ریت کے ٹیلوں میں سے ہوتا ہوا جب اُس مقام پر

آیا جہاں وُہ ستھائیس کو چھوڑ گیا تھا تو یہ دیکھ کر چکرا گیا کہ وہاں ستھائیس موجود نہیں تھی۔ گھوڑے سے اُتر کر وُہ اِدھر اُدھر ستھائیس کو تلاش کرنے لگا۔ اُس نے زور زور سے ستھائیس کو آوازیں بھی دیں۔ مگر صحرا میں اُس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ پھر ایکا ایکی اُس کی نگاہ ریت پر اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں پر پڑ گئی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ادھر سے کوئی قافلہ اُس کی عدم موجودگی میں گزرا ہے اور وہ ستھائیس کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

مگر ستھائیس کو زبردستی قافلے والے کیوں لے گئے؟ کہیں وُہ ڈاکو نہ ہوں۔ ضرور اس کے بعد ڈاکوؤں کا ادھر سے گزر ہُوا ہے اور وُہ ستھائیس کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ عنبر نے گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں پر اُس طرف چلنا شروع کر دیا جدھر ڈاکو اُس کے خیال کے مطابق گئے تھے۔ وُہ چلتا رہا، چلتا رہا۔ مگر ڈاکوؤں کا کہیں سُراغ نہ ملا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نشان ریت پر برابر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ رات گہری ہونے لگی۔ مگر عنبر نے اپنا تعاقب جاری رکھا۔ لیکن ڈاکو اُس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

جس وقت عنبر سمندر سے آدھے راستے پر پہنچا اُس وقت ڈاکو سمندر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ جہاں ایک چھوٹا سا جہاز

بادبان سمیٹے کھڑا لہروں پر ڈول رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے جہاز کی طرف منہ کرکے زور سے آواز دی۔ جہاز پر سے بھی کسی نے اس آواز کا اسی طرح جواب دیا۔ تھائیں اونٹ کے کجاوے میں ڈاکوؤں کے پہرے میں بیٹھی روتی ہوئی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ بے بس کردی گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر عنبر کا خیال آرہا تھا کہ جب واپس آکر وہ تھائیں کو وہاں نہیں پائے گا تو بے چارہ کس قدر پریشان ہوگا۔

اب جہاز کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی سمندر میں تیرتی کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ ڈاکوؤں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر سے لوٹا ہوا سامان اتارنا شروع کردیا۔ انہوں نے تھائیں کو بھی کجاوے سے اتارا اور اس کے بازوؤں کو رسی سے باندھ ڈالا کشتی قریب آکر ساحل سمندر کے ساتھ لگ گئی۔ ڈاکوؤں نے جلدی جلدی سارا سامان اور تھائیں کو کشتی میں سوار کردیا۔ کشتی جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔ دوسرے پھیرے پر انہوں نے سارے گھوڑے اور اونٹ کشتی میں لاد کر جہاز تک پہنچا دیے۔ تیسری بار سردار خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا اور جہاز پر آگیا۔

یہ بحری جہاز بھی ڈاکوؤں کے ایک ساتھی کا تھا جو اس جہاز کا مالک بھی تھا اور کپتان بھی تھا۔ عرشے پر اس نے ڈاکوؤں کے سردار

کو گلے لگا لیا اور تھائیس کے بارے میں پوچھا کہ یہ عورت کہاں سے پکڑی
سردار نے کہا :

" یہ ایک مورنی ہے جسے میں نے بخدک صحرا سے پکڑا ہے
اور اِسے سارڈینیا کے بازار میں فروخت کر کے سونے کی اشرفیاں حاصل
کروں گا "

" بہت خوب ، آؤ دوست اب کچھ کھا پی لو ۔ تم بہت سفر
کرتے کرتے تھک گئے ہو گے "

" ضرور ، ضرور "

کپتان نے حکم دیا : " بادبان کھول دو "

اُسی وقت ملاحوں نے جہاز کے بادبان کھول دیے ۔ بادبانوں
میں ہوا بھرتے ہی جہاز نے مشرق کی سمت سمندر میں ساحل کے ساتھ
ساتھ سفر کرنا شروع کر دیا ۔ تھائیس کو جس کوٹھڑی میں قید کیا گیا تھا
وہ بڑی چھوٹی سی تھی اور اُس کے اندر سے گندے پیازوں کی
بدبو آ رہی تھی ۔ تھائیس بے حد غمزدہ اور پریشان بیٹھی تھی اور
سوچ رہی تھی کہ وہ آدم خور وحشیوں کے چنگل سے بچی تو ان
ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئی جو اُسے سارڈینیا یا یروشلم میں جا کر
فروخت کر دیں گے ۔

اُسے اپنی قسمت پر رونا آ گیا ۔

عنبر ساری رات تھائیس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا ۔ گھوڑوں کے

سُموں کے نشان ریت پر چلتے چلتے اُسے ساحل سمندر پر لے آئے۔ اُس نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے ایک جگہ پہنچ کر یہ نشان رُک گئے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ ڈاکو لوگ یہاں سے کسی جہاز یا کشتی میں سوار ہو کر چلے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ تھائیس کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہوں گے۔ اب اُس کا تعاقب کرنا بے سُود تھا۔ اس لیے کہ عنبر اپنے گھوڑے کو سمندر میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اُس نے کچھ دیر بیٹھ کر وہاں آرام کیا۔ تھائیس کے مستقبل کے بارے میں غور کیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی جانب چل پڑا۔ عنبر اب واپس صحرا میں سفر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اِس خیال سے سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا کہ شاید کہیں سے اُسے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے جو اُسے لے کر ملک سندھ میں موہنجو داڑو کی طرف لے چلے۔

ڈاکوؤں کا جہاز تھائیس کو لے کر کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اب اُس نے سمندر کے کنارے سے ہٹ کر کھُلے سمندر میں سفر شروع کر دیا تھا۔ تھائیس نے گول گول کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ اُسے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آیا۔ جہاز سارا دن اور ساری رات سفر کرتا رہا۔ اگلے روز اُسے غلام نے کھانا لا کر دیا۔ کھانا بڑا عمدہ تھا۔ اس میں زیتون کے تیل میں بھُنا ہوا مُرغ تھا اور ساتھ جَو کی روٹی اور انجیریں بھی تھیں۔ تھائیس سمجھ گئی کہ اُس کی

خاطر مدارات صرف اس لیے کی جا رہی ہے کہ اُس کی صحت اچھی ہو جائے تاکہ منڈی میں اُس کی قیمت زیادہ پڑے۔ اُسے اپنے اُوپر ترس آ گیا۔ کیونکہ وہ ایک بھیڑ بکری تھی جسے منڈی میں بیچنے کے لیے پالا جا رہا تھا۔

عنبر کو سفر کرتے ہوئے چوتھا روز طلوع ہوا تو اُسے سمندر کے کنارے سے ذرا ہٹ کر ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہ پہاڑ کی طرف بڑھنے لگا۔ جُوں جُوں وہ پہاڑ کے قریب ہو رہا تھا۔ اُسے کھجوروں کے جُھنڈ اور مکانوں کی لال دیواریں بھی دکھائی دینے لگیں۔ دوپہر کے بعد وہ اُس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ مگر عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہاں کوئی بھی انسان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ کچی گلیوں کے مکان سنسان کھڑے تھے۔ ان کے دروازے کھلے تھے، مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

رُوحوں کا شہر

شہر کے مکان، گلیاں اور دکانیں اُجاڑ پڑی تھیں۔

دکانوں کے اندر سامان لگا تھا۔ مگر نہ کوئی خریدار تھا اور نہ کوئی دُکاندار ـــ مکانوں پر بھی بھوتوں کا بسیرا تھا۔ ایک جگہ بازار میں چارے کا ڈھیر پڑا تھا۔ عنبر نے گھوڑے کو اُس چارے کے پاس کھُلا چھوڑ دیا اور خود ویران آبادی کی سیر کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ اس شہر کے لوگوں کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ چلتے چلتے وہ ایک مکان کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ یہاں ایک بوڑھا آدمی پتھر کے چبوترے پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ عنبر جلدی سے اُس کے قریب گیا اور اُس سے پُوچھا کہ اِس شہر کے لوگ کہاں چلے گئے؟ بوڑھے کی آنکھیں بند تھیں۔ عنبر نے اُسے ذرا ہلایا تو وہ ایک دم زمین پر گر پڑا۔ عنبر نے اُس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ وہ مر چکا تھا۔ عنبر گھبرا کر وہاں سے دوسری طرف چلا گیا۔ وہ بازاروں اور سنسان گلیوں میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک عورت پر پڑی جس نے رقاصاؤں کا سا لباس پہن رکھا تھا اور اُس کے پاؤں میں گھنگھرو چھن چھن کر رہے تھے۔

عنبر بُت بنا اُس رقاصہ کی طرف دیکھتا رہا۔ رقاصہ نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور گلی میں مُڑ گئی۔ عنبر بھی اُس گلی میں آ گیا۔ رقاصہ گلی کے سرے پر کھڑی اشارے سے عنبر کو اپنی طرف بُلا رہی تھی۔ عنبر اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ عورت ضرور کوئی چڑیل یا جنّ بھوت ہے۔ مگر وہ اُس اُجڑے ہوئے ویران شہر کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ رقاصہ چھن چھن کرتی عنبر سے کافی فاصلے پر چلی جا رہی تھی۔ وہ ہر موڑ مُڑنے سے پہلے عنبر کو پلٹ کر دیکھتی اور اپنے پیچھے چلے آنے کا اشارہ کر کے آگے چل دیتی۔ اُس کا پیچھا کرتے کرتے عنبر ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے پہنچ گیا جس کے باہر پتھر کے چوڑے سے پیالے میں آگ جل رہی تھی۔ پُراسرار عورت اس عمارت کے دروازے میں داخل ہو گئی۔ عنبر بھی آگے بڑھا۔ وہ عمارت ایک بہت بڑا مندر تھا۔ جس کے دروازے پر بھینسے کا بُت بنا ہُوا تھا۔ پُراسرار رقاصہ نے اندر داخل ہونے سے پہلے عنبر کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ عنبر بلا خوف و خطر مندر کے دروازے میں سے داخل ہو کر اندر چلا گیا۔

یہ ایک عبادت گاہ تھی جس کے دالان میں جگہ جگہ پتھر کے بُت بنے تھے۔ یہ سارے کے سارے بُت جانوروں کے تھے جن میں بھینسے کا بُت سب سے بڑا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہاں جو قوم آباد

تھی وہ بھینسے کی پرستش کرتی تھی۔ اُسے تھائیس کا خیال آگیا جس نے کہا تھا کہ موہنجو داڑو میں اُس کے ماں باپ بھی بھینسے کی پوُجا کرتے تھے تو کیا وہ موہنجو داڑو پہنچ گیا تھا۔ مگر ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا جب کہ موہنجو داڑو وہاں سے سمندر کے سفر پر تھا اور وہاں پہنچنے کے لیے سمندر میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک راز تھا جسے عنبر حل کرنے کے لیے رقاصہ کے پیچھے پیچھے مندر کے ایک ایسے کمرے میں آگیا جہاں چبوترے پر آگ جل رہی تھی۔ وُہ ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ رقاصہ کہاں چلی گئی تھی۔ وہ اُسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وُہ کہاں غائب ہو گئی؟

اِتنے میں اُسے گھنگھروُں کے چھن چھن کی آوازیں سُنائی دیں۔ اُس نے دیکھا کہ وہی رقاصہ چبوترے پر نمودار ہوئی اور اُس نے آگ کے ارد گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ یہ رقص ایسا تھا کہ جیسے کوئی آسمان سے پری اُتر کر رقص کر رہی ہو۔ رقص کے ساتھ ساتھ وہ آگ کی پوُجا بھی کر رہی تھی۔ عنبر ستون کے ساتھ لگا خاموشی سے اُس پُر اَسرار عورت کو ناچتے دیکھتا رہا۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ وہ عورت ناچ نہیں رہی بلکہ آگ کی پوُجا کر رہی ہے۔ وہ بار بار آگ کے سامنے جُھکتی اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر پیچھے ہٹ جاتی۔ تھوڑی دُور پیچھے ہٹ کر وہ پھر آگے آتی اور آگ کے آگے

جھک جاتی۔

جب وُہ آگ کی پُوجا سے فارغ ہو چکی تو قدم قدم چلتی عنبر کے پاس آکر رُک گئی۔ اُس کے ماتھے پر پسینے کے موتی جھلملا رہے تھے۔ اُس نے بالوں میں سفید پھُول لگا رکھے تھے۔ اُس کے بازوؤں اور کلائی میں سونے کے کڑے تھے اور گلے میں ایک چاندی کا تعویذ تھا جس پر ستاروں کا طلسم بنا ہُوا تھا۔ عنبر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ عورت کون ہے؟ کیا اس عبادت گاہ کی پُجارن ہے یا کوئی چڑیل ہے؟ اُس عورت نے کہا:

"تمہارا نام عنبر ہے اور تم فرعون کے بیٹے ہو۔ تم دو ہزار سالوں سے زندہ ہو اور اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک کہ یہ زمین فنا نہیں ہو جاتی"

ایک دم عورت کے منہ سے یہ بات سُن کر عنبر بوکھلا کر رہ گیا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس راز کو اُس نے ہر ایک سے چھُپا چھُپا کر رکھا ہے اُسے یہ اجنبی عورت ایک ہی سانس میں فاش کر دے گی۔

"تم — تم کون ہو دیوی؟"

"میرا نام عنبرینہ ہے۔ مَیں دیوتا آمون کی دیوداسی ہُوں۔ کیا تم عنبر نہیں ہو؟"

"ہاں، میرا نام عنبر ہے اور باقی تم نے میرے بارے میں جو

پکھ کہا وہ ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں میرا یہ راز کیسے معلوم ہوا عنبرینہ ؟"
" میں دیوتا آمون کی دیوداسی ہوں۔ مجھے اِس زمین کے سارے راز معلوم ہیں "
" اچھا یہ بتاؤ کہ بتائیں —— وہ عورت جو میرے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ اِس وقت کہاں ہے ؟"
دیوداسی عنبرینہ نے ایک پل کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر مسکرا کر بولی:
" وہ عورت اِس وقت سمندر میں ملک حلب کی طرف سفر کر رہی ہے۔ اُسے ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں "
" کیا وہ زندہ ہے اور ٹھیک ٹھاک ہے ؟"
" ہاں وہ زندہ ہے، مگر غم زدہ ہے۔ کیوں کہ اُس نے سُن لیا ہے کہ ڈاکو حلب یا یروشلم یا سارڈینیا لے جا کر اُسے منڈی میں بھیڑ بکریوں کی طرح کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے "
" عنبرینہ، کیا تم اُسے ڈاکوؤں کے پنجے سے بچا سکتی ہو؟ وہ عورت بھی دیوتا آمون کی پوجا کرتی تھی اور بڑی مصیبت زدہ ہے "
" نہیں عنبر، یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ میں تمہیں یہ تو بتا سکتی ہوں کہ وہ اِس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے، مگر یہ نہیں کر سکتی کہ اُسے اٹھا کر تمہارے پاس لے آؤں یا اُسے ڈاکوؤں سے بچا لوں۔ یہ میری طاقت سے باہر ہے "

عنبر نے پُوچھا :

" یہ بتاؤ کہ اِس شہر کے لوگ کہاں چلے گئے ؟ یہ شہر ویران کیوں ہے ؟"

" اِس شہر کو دیوتا آمون کی بد دُعا لگی ہے ۔ اس شہر کے لوگ گنہگار ہو گئے تھے ۔ وُہ بے ایمان تھے ۔ جھوٹ بولتے تھے ۔ چوری کرتے تھے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے ۔ وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس گئے تھے ۔ دیوتاؤں نے کئی بار اُنہیں نیکی کی طرف بُلایا اور گناہوں سے توبہ کرنے کو کہا مگر وُہ نہ مانے ۔ پس دیوتاؤں نے انہیں زمین کے اندر غرق کر دیا ۔ اُن کے مکان اور دُکانیں بھی کی سبھی رہ گئیں ۔ اب وُہ پھر کبھی اِس دُنیا میں نہیں آئیں گے ۔ گناہ کرنے والے لوگوں کا ایسا ہی عبرت ناک انجام ہوتا ہے "

" عنبرینہ ، میں اِس شہر سے نکل کر موہنجو داڑو جانا چاہتا ہُوں ۔ کیا تم میری مدد کر سکتی ہو ؟ میں اُس ملک کا راستہ بھُول گیا ہُوں "

" تم اگر گھوڑے پر سفر کرو گے تو اُس ملک میں ایک مہینے کے بعد پُہنچ سکو گے ۔ پھر بھی تمہیں ایک مہینے کا سفر سمندر میں کرنا پڑے گا ۔ مَیں تمہیں ہوا میں اڑا کر وہاں نہیں پہنچا سکتی ۔ لیکن اتنا ضرور کر سکتی ہُوں کہ تمہاری رہنمائی کروں اور تمہیں اُس شہر کا راستہ بتا دوں جہاں سے تم ایک بادبانی جہاز میں بیٹھ کر ملک سندھ اور پھر موہنجو داڑو پُہنچ سکتے ہو "

"مَیں اس کے لیے بھی تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا عنبر بینہ"
"مَیں تمہاری مدد کروں اور تمہیں صحرا میں سیدھا راستہ دکھاؤں!
وگرنہ تم اگر ساری زندگی بھی چلتے رہو تو موہنجو داڑو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ تم اپنی غلطی کی وجہ سے صحرا میں ایک گول دائرے کی صورت میں سفر کر رہے ہو!"
"مَیں بھی حیران تھا کہ میرا سفر ختم کیوں نہیں ہوتا!"
"تمہارا سفر کبھی ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ آؤ میرے ساتھ!"
دیو داسی عنبر بینہ عنبر کو ساتھ لے کر مندر سے باہر آ گئی۔ شہر کی سنسان گلیوں میں سے گزرتے ہوئے عنبر نے اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے لیا عنبر بینہ نے ایک ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر اُسے بتایا:
"سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف سفر کرتے رہو۔ دو دن کے بعد تمہیں سمندر میں ایک دریا گرتا ہوا ملے گا۔ اب تم سمندر کو چھوڑ کر دریا کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف چلنا شروع کر دینا۔ ایک رات اور ایک دن گزرنے کے بعد تم ازدمیر کے شہر میں پہنچ جاؤ گے۔ جہاں سے ملک روم اور ملک سندھ اور موہنجو داڑو کے لیے ہفتے میں ایک بار جہاز جاتے ہیں۔ بس اسی بندرگاہ سے جہاز میں سوار ہو کر تم ملک سندھ پہنچ سکتے ہو!"
عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر دیو داسی سے رخصت ہوا اور اُس نے سمندر کے ساتھ ساتھ اپنا سفر شروع کر دیا۔ گھوڑا اور وہ خود، دونوں

تازہ دم تھے۔ اِس لیے شام تک وُہ بہت دُور نکل گئے۔ اب صحرا کی ریت کم ہوتی جارہی تھی اور پتھریلی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ اور جھاڑیاں بھی مل رہی تھیں۔ راستے میں اُسے رات ہوگئی۔ اُس نے آرام کرنے کے لیے ایک جگہ درختوں کے نیچے گھوڑے کو باندھا اور چادر بچھا کر سوگیا۔ ساری رات وہ سویا رہا۔ آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا اور گھوڑا گھاس چر رہا تھا — قریب ہی ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ اُس نے وہاں سے منہ ہاتھ دھویا۔ گھوڑے کو پانی پلایا اور آگے چل پڑا۔

سارا دن وُہ پہلے روز کی طرح سفر کرتا رہا۔ رات ہوئی تو ایک جگہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ وُہ رات بھی اُس نے سوکر بسر کی۔ دوسرے روز اُس نے ایک دریا کو دیکھا جو سمندر میں گر رہا تھا — دیوداسی نے اُس کی درست رہنمائی کی تھی۔ وُہ عنبرینہ کی ہدایت کے مطابق دریا کے اُوپر کی طرف چلنے لگا۔ دریا کنارے اونچی اونچی گھاس اُگی تھی۔ سارا دن وہ دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ رات کو وہ ایک جگہ سوگیا۔ تیسرے روز وہ سوکر اُٹھا تو سفر پھر سے شروع کر دیا۔ اب اُسے درختوں کی قطاریں نظر آنا شروع ہوگئیں اور دُور سے اُس نے ایک چھوٹی سی بستی کے آثار دیکھے۔ سمندر میں کہیں کہیں کشتیاں چل رہی تھیں اور دو ایک بادبانی جہاز بھی کھڑے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ جس شہر کے بارے میں دیوداسی نے بتایا تھا وُہ یہی شہر ہے۔

عنبر شہر میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا شہر تھا جس کے چوک میں پھلوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ لوگ رنگ رنگ کپڑے پہنے چل پھر رہے تھے۔ کمہار مٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ سنار زیور تیار کر رہا تھا۔ دھوبی تالاب پر کپڑے دھو رہا تھا۔ کچھ عورتیں لمبے لمبے بال کھولے، ہاتھوں پر پھول رکھے عبادت گاہوں کی طرف منہ میں کچھ پڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ عنبر بندرگاہ پر آ گیا۔ یہاں ایک جہاز پر سامان لادا جا رہا تھا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا:

"بھائی یہاں سے ملک سندھ کو جہاز کب جائے گا؟"

"یہی جہاز ملک سندھ کو جا رہا ہے اے نوجوان، مگر یہ دو روز بعد تیسری رات کو اپنا سفر شروع کرے گا۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟"

"میں بھی ملک سندھ کا مسافر ہوں۔"

"مگر یہ جہاز تو مال لے کر جا رہا ہے۔ اس پر مسافر سفر نہیں کر سکتے۔"

"مسافروں کو لے جانے والا جہاز کب جائے گا؟"

"وہ پچاس دن کے بعد یہاں سے روانہ ہو گا۔"

"کیا کسی طرح میں اس جہاز پر سفر نہیں کر سکتا؟"

"اس کے لیے تمہیں اس جہاز کے کپتان کی اجازت لینی ہو گی۔"

"کپتان سے میں کہاں مل سکتا ہوں؟"

"کپتان بیمار ہے۔ وُہ کسی سے نہیں ملتا۔ وہ تم سے بھی نہیں مل سکتا۔"

"اگر وہ بیمار ہے تو میں اُسے تندرست کر سکتا ہوں۔ میں بیماریوں کا علاج بھی کر لیتا ہوں۔"

"تم کپتان کی بیماری کا علاج کیا کروگے۔ اُسے تو شہر کے سارے حکیم جواب دے گئے ہیں۔"

"اُسے کیا بیماری ہے؟"

"اُسے کل سے ہچکی لگی ہے اور بند ہونے کا نام نہیں لیتی۔"

"تم مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ میرے پاس اس بیماری کا علاج ہے۔"

"کیا تم مذاق تو نہیں کر رہے نوجوان؟"

"مَیں تمہیں ٹھیک کہہ رہا ہُوں۔"

"تو آؤ میرے ساتھ۔"

وہ آدمی عنبر کو لے کر بندرگاہ کی عمارت کی ایک حویلی میں لے گیا جس کی ڈیوڑھی میں جہاز کے ملاح رونی صورت بنائے بیٹھے تھے۔ کیونکہ اگر کپتان ٹھیک نہ ہوا تو وہ جہاز لے کر نہیں جا سکتے تھے۔ ان کی ساری زندگی سمندر پر گزری تھی اور انہیں شہروں میں رہنا ایک عذاب معلوم ہوتا تھا۔ عنبر جس وقت اُس کمرے میں پہنچا جہاں جہاز کا کپتان پلنگ پر پڑا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد عورتیں اور مرد جمع ہیں۔ کپتان اونچی آواز میں ہچکیاں لے رہا تھا

اور اُس کا بہت بُرا حال تھا۔ ہچکی سے لے کر اُس کا گلا بیٹھ گیا تھا اور نرخرے میں سے بڑی ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ عنبر نے اندازہ لگایا کہ اگر ایک رات اور اُسے ہچکی لگی رہی تو وہ صبح تک مر جائے گا۔

اُس نے عورتوں اور مردوں کو پرے پرے ہٹا دیا اور کپتان کی نبض دیکھی۔ اُسے شدت کا بخار بھی تھا۔ عنبر نے اُس آدمی سے کہا:

"ان تمام عورتوں اور مردوں کو یہاں سے نکال دیا جائے"

کپتان نے بھی ہچکی لیتے لیتے عنبر کو تعجب سے دیکھا کہ یہ نوجوان سا لڑکا بھلا اُس کے لیے کیا کر سکتا ہے جب کہ بوڑھے بوڑھے حکیموں نے اُسے جواب دے دیا ہے۔ اُس آدمی نے کپتان کے کان میں کہا:

"یہ کہتا ہے کہ میں کپتان کا علاج کر لوں گا"

کپتان بول نہیں سکتا تھا۔ وہ مسلسل ہچکیاں لے رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے عورتوں اور مردوں کو کمرے سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا۔ تمام لوگ عنبر کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔ عنبر نے آدمی سے کہا:

"کہیں سے مجھے ایک خنجر لا دو"

اُس آدمی نے اُسی وقت ایک خنجر لا کر رکھ دیا۔ عنبر نے کہا:

"اِس کپتان کے کوئی بچہ ہے ؟"

"ہاں اِس کی ایک بچی ہے جس سے یہ بہت پیار کرتا ہے"

"اُس بچی کو یہاں لے آؤ"

"وُہ آدمی باہر گیا اور کپتان کی بچّی کو لے آیا۔ عنبر نے بچی کو زمین پر لِٹا دیا اور اُس آدمی سے کہا :

"مَیں جو کہوں کرتے جانا اور سوال بالکل نہ کرنا۔ اتنا یقین رکھو کہ بچّی کو کچھ نہیں ہوگا"

عنبر نے بچّی کی مشکیں کَس دیں۔ کپتان بڑے غصّے سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر عنبر نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور کپتان کی بچّی کے گلے پر اُلٹا پھیرنے لگا۔ بچّی کی چیخ نکل گئی اور اُس کے ساتھ ہی کپتان نے اُچھل کر عنبر کی گردن دبوچ لی۔

"مَیں تمہیں قتل کردوں گا"

کپتان کی زبان سے یہ جملہ ادا ہُوا تو وُہ خود حیرانی سے اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ کیونکہ ہچکی کی وجہ سے وہ دو روز سے کوئی لفظ زبان سے ادا نہیں کرسکا تھا۔ اُس کی ہچکی دُور ہو چکی تھی۔ عنبر نے کپتان کی بچّی کی مشکیں کھول دیں اور کہا :

"مَیں نے بچّی کے گلے پر الٹی چھُری پھیری تھی تاکہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ لیکن آپ کو یہی معلوم ہو کہ آپ کی پیاری بچّی کو ذبح کیا جا رہا ہے"

کپتان نے حیرت سے پوچھا :

"مگر ایسا تم نے کیوں کیا ؟"

عنبر نے کہا :

"اس لیے کہ یہی آپ کی ہچکی کا علاج تھا۔ مَیں کوئی صدمہ ایک دم آپ کو پہنچانا چاہتا تھا تاکہ ہچکی ایک دم ٹوٹ جائے۔ دیکھ لیں آپ کی ہچکی ختم ہوگئی ہے اور اب کبھی شروع نہیں ہو گی۔"

کپتان، نوجوان عنبر کی عقلمندی اور حکمت پر بہت خوش ہوا۔ اُس نے کہا :

"تم ایک نہایت دانشمند اور مکمل حکیم ہو۔ تم کون ہو اور اس شہر میں کیسے آنا ہوا ؟"

"اے معزز کپتان، میرا نام عنبر ہے۔ مَیں ملک نینوا سے آرہا ہُوں اور ملک سندھ جانے کا ارادہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے ہر تیسرے ماہ ایک جہاز سندھ کو روانہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر کپتان چاہے تو اس مال بردار جہاز میں بھی جگہ مل سکتی ہے جو تیسری رُت کو یہاں سے روانہ ہو رہا ہے۔ پس مَیں نے آپ سے ملنے کا ارادہ کیا تو کسی نے بتایا کہ آپ شدید بیمار ہیں۔ میرے لیے یہ اچھا موقع تھا کہ آپ کو تندرست کرکے اپنی دلی مراد پاؤں۔"

"تو کیا تم سندھ جانے کا ارادہ رکھتے ہو ؟"

"ہاں اے معزز کپتان !"

"بے شک، یہ تمہارا حق بن گیا ہے۔ تم نے مجھے ایک ایسی المناک بیماری سے نجات دلائی ہے جس کے بارے میں مجھے سب لوگوں نے جواب دے دیا تھا۔ مَیں تمہیں ضرور اپنے ساتھ ملک سندھ لے چلوں گا۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر تم میرے جہاز پر ہی رہو۔ مَیں تمہیں ایک اچھا عہدہ پیش کروں گا۔"

"کپتان، میرے پاس بڑے عہدے تھے جنہیں میں ایک ایک کر کے ٹھکرا کر آ رہا ہوں۔ اب میرا ملک سندھ جانا ضروری ہے — تھائیس نام کی ایک بیوہ کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس کے ماں باپ موہنجو داڑو میں رہتے ہیں۔ میں اس شہر کی سیر بھی کرنا چاہتا ہوں اور تھائیس کے ماں باپ کو اُن کی بیٹی کے بارے میں بھی اطلاع کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا وہ ڈاکو جہاز پر سوار ہو کر چلے گئے تھے؟"

"ہاں — مگر تمہیں کیسے پتہ چلا کپتان؟"

"اِس علاقے میں ڈاکوؤں کا ایک بہت بڑا گروہ قافلے لوٹتا پھرتا ہے۔ ان کا ایک ساتھی جہاز پر انہیں پناہ دیا کرتا ہے۔ وہ یقیناً تھائیس کو لے کر بندرگاہ انطاکیہ کی طرف گیا ہوگا۔ جہاں تک میرا خیال ہے تمہیں اب تھائیس کو بھول جانا چاہیے۔ وہ اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ اُسے انطاکیہ یا حلب شہر کی منڈی میں فروخت کر دیا جائے گا اور وہ باقی ساری زندگی کسی گمنام جگہ پر ایک

معمولی کینز بن کر گزارہ کرے گی۔"

عنبر نے کہا :

" بہر حال جو کچھ ہُوا اُس میں اب مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ عورت ایک رب پر ایمان لے آئی ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ جو بھی شخص ربّ واحد پر ایمان لاتا ہے زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتا اور ربّ عظیم ہر تکلیف کے موقع پر اُس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ ربّ عظیم اس عورت کی ضرور مدد کرے گا۔"

کپتان نے مُسکرا کر کہا :

" اے نوجوان، تم ابھی بچے ہو۔ ربّ واحد پر ایمان لا کر تم زندگی میں زیادہ دُور تک نہیں چل سکتے۔ دیوتاؤں کو ناراض کر کے کوئی بھی انسان اِس دنیا میں زیادہ دیر خوش حالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔"

" جو کچھ بھی ہو مَیں آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ نے مجھے اپنے جہاز پر ساتھ چلنے کی اجازت دی۔"

"شکر گزار تو میں ہُوں عنبر، کہ تم نے مجھے ایک منحوس بیماری سے نجات دلائی۔ تم اِس شہر میں کہاں اُترے ہُوئے ہو؟"

" کسی جگہ بھی نہیں، ہاں آج کسی کارواں سرائے کو تلاش کر لوں گا۔"

" تمہیں کارواں سرائے میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھر تمہارا

اپنا ہے۔ تم میرے گھر میں رہو اور پرسوں رات یہیں سے تم میرے ساتھ ملک سندھ کو روانہ ہو جانا "

" شکریہ اے معزز کپتان "

عنبر کپتان کے گھر رہنے لگا۔ دو روز یونہی گزر گئے۔ کپتان کے بارے میں عنبر کو معلوم ہوا کہ وہ نہایت جفاکش اور بہادر شخص تھا اور سمندروں میں بچپن سے سفر کر رہا تھا۔ اُسے سمندری طوفانوں اور مہموں کا بہت تجربہ تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر کی ایک خوب صورت حویلی میں رہتا تھا جس کے دالان میں ایک بڑا خوب صورت سنگِ مرمر کا حوض تھا جس میں سُرخ رنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ وہ چھ مہینے سمندروں میں اپنے جہاز پر سفر کرتے گزارتا اور چھ مہینے اپنے گھر بیوی بچوں کے ساتھ بسر کرتا تھا۔

تیسرے روز شام کو عنبر کپتان کے ساتھ جہاز پر آ گیا۔

جہاز بندرگاہ پر تیار کھڑا تھا۔ سارا سامان جہاز پر لادا جا چکا تھا۔ سارے ملاح اور جہاز کے ملازم تیار کھڑے کپتان کا انتظار کر رہے تھے۔ کپتان عنبر کے ساتھ جہاز پر سوار ہوا تو جہاز کے بادبان کھول دیے گئے اور غلاموں نے کپتان کے حکم سے جہاز کی نچلی منزل میں بڑے بڑے چپو چلانا شروع کر دیے۔ جہاز بندرگاہ سے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف چلنے لگا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور بندرگاہ پر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ ان مشعلوں

کی روشنی کا عکس سمندر کے پانی میں پڑ رہا تھا۔ جہاز پر بھی اسی قسم کی مشعلیں روشن تھیں۔ شہر میں بھی مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہوا موافق چل رہی تھی۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور اس نے دھکا دے کر جہاز کو بہت جلد بندرگاہ سے دُور کر دیا۔ جُوں جُوں جہاز سمندر میں جا رہا تھا بندرگاہ کی عمارتوں اور شہر کے مکانوں کی روشنیاں دور ہو رہی تھیں۔ کپتان جہاز پر کھڑا جہازیوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ عنبر عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگا شہر اور بندرگاہ کی روشنیوں کو دُور ہٹتے دیکھ رہا تھا۔ آخر یہ روشنیاں سمندر کی لہروں میں گم ہوگئیں اور جہاز کھُلے سمندروں میں پہنچ گیا۔

جہاز گھپ اندھیرے سمندر میں ملک سندھ کی طرف سفر کرنے لگا۔ جہاز کی روشنیوں کا عکس سمندر کی موجوں میں جھلملا رہا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور جہاز کے پیندے سے ٹکرانے والی موجوں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ عنبر نے رات کا کھانا کپتان کے ساتھ کھایا۔ کھانا بڑا پُرتکلف تھا جس میں بھُنی ہُوئی بطخ اور مور کا گوشت بھی شامل تھا۔ ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ صبح سُورج نکلا تو عنبر نے دیکھا کہ چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا اور جہاز کھُلے بادبانوں کے ساتھ مشرق کی سمت چلا جا رہا تھا۔ کپتان نے نقشہ دیکھ کر اُسے بتایا کہ وہ ٹھیک راستے پر چلے جا رہے ہیں اور اگر راستے میں کوئی طوفان نہ آیا تو وُہ چار روز کے بعد سندھ کے

ساحل پر جا لگیں گے۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ سمندر پُر سکون ہی رہے گا"

"یہ موسم طوفانوں کا نہیں، لیکن اِس سمندر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اِدھر پُر سکون موسموں میں بھی طوفان آ جایا کرتے ہیں"

دو روز تک جہاز بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ سمندر میں سفر کرتا رہا۔ تیسرے روز دوپہر کے وقت آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھانا شروع ہو گئے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ کپتان نے کسی طوفان کے خیال کے پیشِ نظر ملاحوں کو ضروری ہدایات دے دیں اور خود عنبر کے ساتھ عرشے پر کھڑا آسمان پر چھاتے بادلوں کو دیکھنے لگا۔ بادل گھرے ہوتے چلے جا رہے تھے اور ہوا بھی تیز ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ایکدم بادلوں میں چمک سی نمودار ہوئی اور بادل زور سے گرج اُٹھا۔

موہنجوداڑو کی طرف

•

بادلوں کی گرج کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ۔
شہروں کی بارش اور سمندر کی بارش میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ شہر میں بارش ہو تو انسان اپنے مکان کی بالکونی یا کھڑکی میں بیٹھا اُس کے نظارے سے لُطف اُٹھاتا ہے ۔ مگر سمندر میں سفر کرتے ہوئے بارش آجائے تو اُس کے ساتھ طوفان بھی ضرور آتا ہے اور ایک بار تو آدمی گھبرا جاتا ہے ۔ چاروں طرف سمندر کی بپھرتی لہریں ہوتی ہیں جو دُور دور سے دیوار کی طرح اُٹھ اُٹھ کر آتی ہیں اور جہاز کے پیندے سے ٹکرا کر اُسے اُچھال کر اپنے ساتھ بہالے جانے کی کوشش کرتی ہیں ۔ جہاز طوفان، بارش اور بپھرتی موجوں میں کھلونے کی طرح اِدھر سے اُدھر ڈولنے لگتا ہے ۔ آج کل تو بحری جہاز بڑے مضبوط اور لمبے چوڑے ہوتے ہیں ۔ اُن کا وزن بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور تھوڑا بہت طوفان تو انہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا ۔ لیکن آج سے چار ہزار برس پہلے کے بادبانی جہاز چھوٹے، کمزور اور کم وزن دار ہوتے تھے ۔ اس کے باوجود وہ لوگ اُن جہازوں سے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ۔ لمبے لمبے سفر کرتے اور نئے

نئے جزیروں کو دریافت کرتے۔ پھر بھی اگر طوفان ایک خاص حد سے بڑھ جاتا تو وہ بڑی تیزی سے ڈوب بھی جاتے تھے۔

عنبر جس بادبانی جہاز پر سوار تھا وہ بھی کوئی طاقتور جہاز نہیں تھا۔ طوفان نے شدت اختیار کی تو وہ بُری طرح ڈولنے لگا۔ عنبر عرشے پر کھڑا تھا۔ اُسے چکر آنا شروع ہو گئے۔ سمندر کی لہریں عرشے پر پانی پھینک رہی تھیں اور ملاح اُس پانی کو لکڑی کی بڑی بڑی بالٹیوں کے ذریعے واپس سمندر میں پھینک رہے تھے۔ کپتان چرخی پر کھڑا جہاز کو پوری طرح سنبھالے ہوئے تھا اور چیخ چیخ کر ملاحوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ طوفان کی رفتار کافی تیز تھی۔ بادبان کئی جگہوں سے پھٹ گئے تھے۔ بادبان کا ایک ڈانڈ ٹوٹ کر گر پڑا تھا اور جہازی اُسے اٹھا کر دوبارا لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ساری رات طوفان جاری رہا۔ صبح ہوئی تو طوفان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بارش تھم گئی تھی اور سمندر کی بپھری ہُوئی موجیں معمول پر آ گئی تھیں۔ کپتان رات بھر چرخی پر کھڑا جہاز کو سیدھا رکھنے اور تباہ ہونے سے بچانے کی جدوجہد کرتا رہا تھا۔ طوفان کے تھمتے ہی وُہ ایک تختے پر پڑ کر گہری نیند سو گیا۔

ملک سندھ کا ساحل وہاں سے ایک رات اور ایک دن کے فاصلے پر تھا۔ طوفان نے اُنہیں تھوڑا سا اصل راستے سے دُور کر دیا تھا۔ جہاز اب پھر سیدھے راستے پر جا رہا تھا۔ اس اعتبار

سے جہاز کو اگلے دن صبح کو سندھ کے مغربی ساحل پر جا لگنا تھا۔ دن بھر جہاز کی ضروری مرمت ہوتی رہی۔ لہروں نے جو توڑ پھوڑ کی تھی اُس کی دوبارا مرمت کر دی گئی تھی۔ پھٹے ہوئے بادبان کو سی کر درُست کر دیا گیا تھا۔ مستول کو بھی میخیں ٹھونک کر جوڑ دیا گیا۔ تیسرے پہر کپتان سو کر اٹھا تو عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھنے لگا۔

آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے۔ سمندر کی لہریں پُرسکون تھیں اور حدِ نظر تک سمندر خاموش تھا۔ کپتان نے کہا:

"اگر سمندر اسی طرح پُرسکون رہا تو ہم کل صبح ساحل پر پہنچ جائیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اب طوفان نہیں آئے گا۔"

کپتان نے فضا میں سُونگھتے ہوئے کہا:

"سمندر کے طوفان کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ خاص طور پر برسات کے دنوں میں تو اس میں کسی وقت بھی طوفان آ سکتا ہے۔ یہ فارس کا سمندر ہے۔ اس کے طوفان بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ دیوتاؤں نے ہم پر مہربانی کی جو رات والا طوفان خیریت سے گزر گیا۔

صبح اُٹھتے ہی کپتان نے بھینسے کا ایک بُت جہاز کے عرشے

پہ لار کھا اور سارے ملاحوں کے ساتھ مل کر وہ اُس کی پوجا کرنے اور بلند آواز میں منتر پڑھتے ہوئے طوفان سے بچ نکلنے پر اُس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ ابھی وہ اپنے دیوتا بھینسے کا پورا شکریہ ادا نہیں کر سکے تھے کہ سمندر پر دُور ایک سیاہ دھبہ نمودار ہوا۔ کپتان نے بُت کی پوجا کرتے ہوئے ایک آنکھ کھول کر اُس دھبے کو دیکھا اور دوبارا آنکھ بند کر کے عبادت میں مصروف ہو گیا۔ وہ یہ سمجھا کہ کوئی تجارتی جہاز ہے۔ کافی دیر پوجا پاٹ کرنے کے بعد ملاح اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور کپتان عنبر کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اب وُہ دھبہ کافی بڑا ہو گیا تھا اور اُس کے بادبان صاف دکھائی دینے لگے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی تجارتی جہاز ہے۔"

کپتان نے بڑے غور سے اُس جہاز کے بادبان کو تکتے ہوئے کہا:

"تجارتی جہاز ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ تجارتی جہازوں کے آنے کا راستہ نہیں ہے۔ تجارتی جہاز عام طور پر جنوب مغرب سے نمودار ہوا کرتے ہیں۔ شاید یہ کوئی ایسا جہاز ہے جو راستہ بھول گیا ہے۔"

جہاز اب کافی قریب آ گیا تھا۔ اچانک کپتان کا رنگ زرد پڑ گیا اور اُس کے منہ سے نکل گیا۔

"یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے!"

اس کے ساتھ ہی کپتان نے چیخ کر اعلان کیا کہ ملاح ہوشیار ہوجائیں۔ مال کے اوپر گھاس پھونس ڈال دیا جائے۔ تلواریں نیام سے باہر کھینچ لی جائیں اور جہاز کی رفتار کو تیز کرکے اس کا رخ مغرب کی طرف موڑ دیا جائے۔ کپتان کے حکم پر فوراً عمل کیا گیا۔ جہاز کا رُخ مغرب کی طرف موڑ کر اُس کی رفتار بڑھادی گئی۔ ملاحوں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام لیں اور وہ جہاز کو غور سے دیکھنے لگے۔

ڈاکوؤں کے جہاز نے بھی شاید کپتان کے اعلان کو سن لیا تھا۔ انہوں نے اپنے جہاز کا رُخ بھی مغرب کی طرف موڑ کر اُس کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ ڈاکوؤں کا جہاز چھوٹا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر طرف آسانی سے مڑ سکتا تھا اور اُس کی رفتار بھی تیز تھی؛ چنانچہ وُہ بہت جلد اُن کے جہاز کے سر پر آن پہنچا۔ ڈاکو سروں پر سیاہ رومال باندھے ہاتھوں میں عریاں شمشیریں لیے عنبر کے جہاز پر چھلانگیں لگانے کو تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے کپتان کے جہاز پر منجنیقوں کی مدد سے دو بڑے بڑے پتھر بھی پھینکے۔ ان پتھروں نے جہاز کے فرش کو دو جگہوں سے توڑ پھوڑ دیا۔ کپتان بے حد پریشان تھا اور پاگلوں کی طرح جہاز پر اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔

ڈاکوؤں کا جہاز جوں ہی کپتان کے تجارتی جہاز کے قریب سے گزرا، ڈاکوؤں نے چیخیں مارتے ہوئے چھلانگیں لگا دیں اور عرشے پر خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ تجارتی جہاز کے ملاح آرام طلبی

کے عادی ہو گئے تھے۔ اُنہیں کبھی تلوار بازی کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جب کہ ڈاکو تلوار چلانے اور مقابلہ کر کے دشمن کو ہلاک کرنے کے عادی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تجارتی جہاز کے ملاح ایک ایک کر کے قتل ہونا شروع ہو گئے اور ڈاکوؤں نے چند ہی لمحوں بعد تجارتی جہاز پر قبضہ کر لیا اور کپتان کو گرفتار کر کے مستول کے ساتھ باندھ دیا۔ ابھی انہوں نے سامان لوٹ کر اپنے جہاز پر ڈالنا شروع نہیں کیا تھا۔

ایک ڈاکو نے عنبر کو مال کی بڑی بڑی گٹھڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے دیکھا تو اُسے کھینچتا ہوا اُوپر عرشے پر لے آیا۔

"سردار، یہ نوجوان نیچے چھپا ہوا تھا۔"

ڈاکوؤں کے سردار نے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک گھور کر دیکھا اور پوچھا:

"تم کون ہو نوجوان؟"

"مَیں ایک مسافر ہوں اور اس جہاز پر سفر کر رہا تھا۔"

"تم چھپ کیوں گئے تھے؟"

"جان بچانے کے لیے۔"

"مگر جان تو تمہاری پھر بھی نہ بچ سکی۔"

"ٹھیک ہے، اگر تم مجھے قتل کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو بے شک قتل کر دو۔"

سردار نے غصّے میں عنبر کی طرف دیکھا:

"کیا بکواس کرتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا!"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"میرا خیال ہے کہ تم ایک احمق ڈاکو ہو اور تمہاری موت گھیر کر تمہیں میرے پاس لے آئی ہے۔ خیریت تمہاری اسی میں ہے کہ ہمارے جس جس ملاّح کو تمہارے آدمیوں نے قتل کیا ہے اس کا تاوان ادا کر دو اور اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ؛ ورنہ تم اور تمہارے ساتھی تمہارے جہاز سمیت یہاں بھسم کر دیے جاؤ گے!"

سارے جہاز پر ایک سنّاٹا چھا گیا۔ کپتان بھی رسّیوں میں بندھا ہوا تھر تھر کانپنے لگا۔ عنبر کے منہ سے جو فقرے نکلے تھے وہ بجلی بن کر ڈاکوؤں اور اُن کے سردار پر گرے۔ سردار کا چہرہ غصّے میں لال ہوا، پھر سیاہ اور پھر سفید پڑ گیا۔ اس نے تلوار کو فضا میں لہرایا اور چیخ مار کر عنبر کے سر پر حملہ کر دیا۔ تلوار عنبر کے سر پر لگی تو چھن کی آواز آئی جیسے کسی چٹان سے ٹکرائی ہو۔

سردار نے دوسری بار اُس سے زیادہ طاقت کے ساتھ وار کیا۔ ایک بار پھر چھناکے کی آواز آئی اور اس کی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ سردار نے بجائے اس پر غور کرنے کے کہ ایسا کیوں

ہو رہا ہے ۔ اُس نے ایک اور تلوار سنبھالی اور عنبر کے جسم پر وحشیوں کی طرح پے در پے حملے کرنے شروع کر دیئے ۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑ جاتے ۔ اُس کا جسم قیمہ قیمہ ہو جاتا ۔ مگر عنبر جوں کا توں کھڑا تھا ۔ اُس کے جسم پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی ۔ اب کپتان اور ڈاکوؤں کے علاوہ سردار بھی بھونچکا سا ہو کر رہ گیا کہ آخر یہ کیسا انسان ہے کہ اس پر تلوار کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا ۔ عنبر نے ایک ڈاکو سے تلوار چھین کر کہا :

" اے ڈاکوؤں کے ظالم سردار ، اب میری باری ہے ۔ تُو نے مجھ پر اتنے وار کیے ہیں ۔ اب ایک وار میرا بھی برداشت کر کے دکھا ۔"

اِتنا کہہ کر عنبر نے ربِ عظیم کا نام لے کر تلوار کو فضا میں اُچھال دیا ۔ تلوار فضا میں جا کر لٹک گئی اور اُس میں سے آگ کے شعلے نکل کر آسمانی بجلی کی طرح ڈاکوؤں پر گرنے لگے ۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی ڈاکو آسمانی آگ میں جل کر بھسم ہو گئے ۔ باقی ڈاکوؤں نے اپنے جہاز سے چھلانگ لگا دی ۔ ڈاکوؤں کے سردار نے دونوں ہاتھ جوڑے اور دو زانو ہو کر عنبر کے آگے جُھک گیا ۔

" اے دیوتا ، ہمیں معاف کر دو ۔ ہم نے گناہ کیا ہے ۔ ہم سے بھول ہو گئی ۔ اے دیوتا ، ہم پر رحم کر ۔ ہم کو معاف کر دے ۔"

کپتان مستول کے ساتھ بندھا یہ سارا ماجرا تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا :

"تو نے ہمارے جتنے ملاح قتل کیے ہیں اُس کا تاوان ادا کرو۔"

سردار نے گڑگڑا کر کہا :

"مَیں ہر قیمت دینے کو تیار ہوں، اے دیوتا !"

عنبر نے اشارا کیا۔ تلوار فضا میں سے نیچے گر پڑی۔ ڈاکوؤں کا سردار سجدے میں گر پڑا۔ پھر ہاتھ جوڑ کر بولا :

"حکم کرو اے مقدس دیوتا۔"

"فوراً سونے کی اشرفیوں کی دس بوریاں اس جہاز پر پہنچاؤ !"

"جو حکم اے مقدس دیوتا !"

ڈاکوؤں کے سردار نے اُسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہا :

"اشرفیوں کے دس توڑے فوراً اِس تجارتی جہاز پر لا کر رکھ دیے جائیں۔"

سردار کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور ڈاکو لپک کر اپنے جہاز پر گئے اور سونے سے بھری ہوئی اشرفیوں کے توڑے لے کر کپتان کے جہاز پر لا کر عنبر کے قدموں میں رکھ دیے۔ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا :

"اب اِس جہاز سے دفع ہو جاؤ۔ اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے بھاگ جاؤ اور خبردار پھر کسی جہاز پر حملے کی جرأت نہ کرنا۔"

"ایسا ہی ہوگا"
ڈاکوؤں نے سر جُھکا کر کہا اور اپنے جہاز پر سوار ہوگئے۔ اُس جہاز کے بادبان کھول دیے گئے اور وہ مشرق سے مغرب کی طرف روانہ ہوگیا۔ عنبر نے کپتان کو مستول سے کھولا تو وہ بھی ہاتھ جوڑ کر دو زانو ہوگیا۔

"تم دیوتا ہو، میں تمہاری پُوجا کرتا ہُوں"

عنبر نے کپتان کو اٹھایا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"مَیں دیوتا نہیں ہُوں کپتان، بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہُوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر دیوتاؤں نے کچھ وعدے کیے ہیں جنہیں وُہ پُورا کر رہے ہیں۔ اُٹھو اور سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے ان توڑوں کو آپس میں تقسیم کرلو"

"کیا یہ سب ہمارے ہیں؟" کپتان نے حیرانی سے پُوچھا۔

"تو اور کس کے ہیں؟" عنبر نے مُسکرا کر کہا۔

"کیا اِن میں سے ایک تھیلی تم اپنے لیے نہ رکھو گے؟"

"نہیں کپتان، مجھے سونے کی اشرفیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے سونا ایک بے کار شَے ہے، مٹی ہے۔ مَیں اِسے لے کر کیا کروں گا؟ بہتر ہے کہ تم اس کو کچھ آپس میں تقسیم کرلو اور باقی اُن ملاحوں کے بال بچوں کے لیے رکھ چھوڑو جنہیں ڈاکوؤں نے قتل کردیا ہے"

کپتان نے کہا :

" اے مقدس دیوتا عنبر، تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔ اگر آج تم یہاں نہ ہوتے تو ڈاکو ہمارے جہاز کو لُوٹ کر آگ لگا دیتے اور ہم سب کو قتل کر دیتے "

سارے ملّاح کپتان کے ساتھ عنبر کے آگے جُھک گئے۔ عنبر نے انہیں بلند آواز سے کہا :

" میرے آگے مت جُھکو، مَیں اِس قابل نہیں ہُوں بلکہ اُس عظیم ہستی کے آگے جُھکو، جس کے آگے مَیں، تمہارے پتھر کے بُت اور اِس دُنیا کی ہر شَے جُھکتی ہے "

" وُہ کون ہے اے مقدّس دیوتا؟"

" وُہ ربّ عظیم ہے "

" مگر اُس کا بُت کہاں ہے ؟"

اُس کا بُت کہیں نہیں ہے اِس لیے کہ وُہ بتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ سارے بُت اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ اُس کی کوئی شکل نہیں۔ وُہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر شے کو دیکھتا اور ہر بات کو سُنتا ہے اور ہم لوگوں کے دلوں کے اندر چھپی ہُوئی باتوں کو بھی جانتا ہے "

" اے مقدّس انسان، ہم تمہارے ربّ عظیم پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر ہمارے پتھر کے بُت کچھ کر سکتے تو ہمیں ضرور ان ڈاکوؤں

سے نجات دلاتے، مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ وہ ایسا نہ کر سکے؛ حالاں کہ ہم صدیوں سے اُن کی پوجا کرتے آئے ہیں۔"

"اس لیے کہ وہ ایسا کر نہیں سکتے تھے۔ وہ محض پتھر کا ٹکڑا ہیں۔ تم اگر انہیں زمین پر پھینکو تو وہ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ ان کو چھوڑ کر آج سے اُس ایک ربِّ عظیم کی عبادت کرو جو آسمانوں زمینوں اور چاند ستاروں کا رب ہے۔"

"ہم آسمانوں، زمینوں اور چاند ستاروں کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔"

سارے ملاحوں نے کپتان کے ساتھ مل کر نعرہ بلند کیا۔ کپتان نے سونے کی اشرفیاں ملاحوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ پانچ بوریوں کو اُس نے مساوی طور پر تقسیم کر کے اُن ملاحوں کے بچوں کے لیے رکھ لیا جو ڈاکوؤں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ ڈاکوؤں کا جہاز آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

اب دُور سے زمین کی سیاہ لکیر دکھائی دینے لگی۔ ملاحوں نے خوشی کے عالم میں جہاز پر شور مچا دیا کہ زمین نظر آ گئی۔ یہ سیاہ لکیر آہستہ آہستہ قریب آتی چلی گئی اور پھر دُور سے درختوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ ملک سندھ کے ساحل پر جہاز پہنچ گیا تھا۔ ساحل کے ساتھ لگتے ہی عنبر نے کپتان سے کہا کہ اب وہ جا رہا ہے اور پھر کبھی اُس سے ضرور ملے گا۔

"میں خوش قسمت ہُوں گا عنبر، اگر تم سے پھر ملاقات ہو گئی۔"

"میں موہنجو داڑو جا رہا ہُوں۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو ضرور ملاقات کروں گا۔ ہو سکتا ہے، مجھے تمہارے ہی جہاز پر واپسی کا سفر کرنا پڑے۔"

"میں ہر پھیرے پر تمہارا انتظار کیا کروں گا۔"

عنبر کپتان سے رخصت ہو کر بندرگاہ سے باہر نکل آیا۔ یہ ملک سندھ کی کوئی بندرگاہ تھی جہاں کچے مخروطی مکان کھڑے تھے۔ محصول لینے والے جگہ جگہ مسافروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایک سپاہی نے عنبر کی بھی تلاشی لینے کی کوشش کی۔ عنبر نے کہا کہ اُس کے پاس سوائے دو کپڑوں کے جو اُس نے پہن رکھے ہیں اور چند اشرفیوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر سپاہی نے عنبر کے ساتھ گستاخی کی اور اُسے گردن سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔

"بکواس کرتے ہو۔"

عنبر نے اپنا بایاں ہاتھ سپاہی کی گردن پر رکھ دیا۔ سپاہی تڑپ کر پرے جا گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر نے اپنے کپڑے سمیٹے اور بندرگاہ کی عمارت سے باہر نکل کر بازار میں آ گیا۔ یہاں دکانیں کھلی تھیں اور سائبانوں کے نیچے لوگ تربوز اور مٹی کے کھلونے اور صراحیاں فروخت کر رہے تھے۔ عنبر نے ایک دکاندار سے پُوچھا کہ موہنجو داڑو وہاں سے کتنی دُور ہے۔

دکاندار نے اُسے بتایا کہ موہنجو داڑو وہاں سے کافی دُور ہے۔

اور ایک قافلہ آج آدھی رات کو وہاں سے چلے گا۔ عنبر نے اس قافلے میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور اُس کاروان سرائے کی طرف چل پڑا جہاں وہ قافلہ ٹھہرا ہُوا تھا۔

مصر کا بازار

تھائیس جس بحری جہاز میں سوار تھی وہ شمالی افریقہ کے ساحل پر جا کر رُک گیا۔

جس ڈاکو نے تھائیس کو صحرا میں سے اغوا کیا تھا اُس نے اُسے یرموک شہر کے ایک بردہ فروش قاچان کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ قاچان غلاموں اور کنیزوں کی تجارت کرتا تھا اور یرموک شہر کے باہر اس کی ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ اِس حویلی میں وہ تھائیس کو لے آیا اور اُس نے اپنے گھر اُسے دُوسری کنیزوں کے حوالے کر دیا۔ یہ ساری کنیزیں مختلف ملکوں سے خریدی گئی تھیں۔ انہیں ڈاکو اغوا کر کے لائے تھے اور قاچان کے ہاتھ فروخت کر گئے تھے۔ یہ تمام بدنصیب اور غمزدہ عورتیں تھیں۔ مگر چونکہ اُسے معلوم تھا کہ اب وہ وہاں سے فرار ہو کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ اس لیے وُہ صبر شکر کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ یہ سمجھنے لگی تھیں کہ ان کی قسمت میں ہی یہی لکھا تھا؛ لہذا اُنھوں نے اپنی قسمت کے لکھے کو قبول کر لیا تھا۔

ایک نئی کنیز تھائیس کو دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئیں اور اُنہیں

صدمہ بھی ہُوا۔ اُنہوں نے تھائیں سے پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کس ملک سے آئی ہے؟ تھائیں نے اُنہیں شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔ کنیزوں نے اُسے حوصلہ دیا۔ ایک سُرخ بالوں والی کنیز نے کہا:

"مَیں ملک یرشغال سے آئی ہُوں۔ مجھے ایک ڈاکو نے اغوا کر لیا تھا۔ میری ماں اور بہن بھائیوں کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ پھر بھی اب مَیں نے صبر کر لیا ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ دیوتاؤں کی یہی مرضی تھی اور ہم دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔"

لیکن تھائیں اب دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ دیوتاؤں پر سے اُس کا اعتقاد اُٹھ گیا تھا۔ وہ عنبر کے ربّ عظیم پر ایمان لے آئی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اُس کا ربّ عظیم ایک نہ ایک دن ضرور اُس کی مدد کرے گا اور وُہ اِس ذلیل قاچان کی قید سے آزاد ہو کر موہنجو داڑو اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ اُسے عنبر کا کبھی کبھی خیال آتا تو اُس کا دل اُداس ہو جاتا۔ وہ سوچتی کہ جانے وہ کہاں ہوگا اور اُسے معلوم بھی ہوگا یا نہیں کہ تھائیں کو ڈاکوؤں نے اغوا کر کے یرموک شہر میں فروخت کر دیا تھا اور اب ظالم بردہ فروش قاچان کے حرم میں ایک کنیز کی گھٹیا زندگی بسر کر رہی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تھائیس! کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کر لو۔ آج کچھ لوگ ہمیں دیکھنے آ رہے ہیں"

ایک کنیز نے تھائیس کے پاس آ کر کہا۔ تھائیس نے پوچھا:

"وہ ہمیں کس لیے دیکھنے آ رہے ہیں براکمہ؟"

"اگر ہم میں سے کوئی کنیز اُنہیں پسند آ گئی تو وہ اُسے خرید کر لے جائیں گے"

"وہ خرید کر کہاں لے جائیں گے؟"

"یہ مجھے کیا معلوم؟"

براکمہ چلی گئی اور قاچان اندر آ گیا۔ اُس نے زور سے ہنٹر زمین پر پٹخ کر کہا:

"سب کنیزیں نئے نئے کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کر لیں"

اِتنا کہہ کر وُہ باہر نکل گیا۔ مجبوراً دوسری کنیزوں کے ساتھ تھائیس کو بھی نئے کپڑے پہنا کر اُس کا بناؤ سنگار کیا گیا۔ بناؤ سنگار کے بعد وہ بہت خوب صُورت نظر آنے لگی۔ دُوسری کنیزوں نے رشک سے کہا:

"دیکھو تھائیس کتنی حسین ہے۔ وُہ تو شہزادی لگ رہی ہے۔ اسے ضرور آج پسند کر لیا جائے گا"

"مَیں لعنت بھیجتی ہوں اپنے پسند کرنے والوں کو"

"آہستہ بولو تھائیس، نہیں تو ظالم قاچان تمہاری کھال اُدھیڑ دیگا"

تھائیس خاموش ہوگئی۔ دوپہر کو کچھ بردہ فروش آئے اور اُنھوں نے تھائیس کو پسند کرکے اُسے خرید لیا۔ تاچان کو اُس کی قیمت ادا کی اور تھائیس کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اُس زمانے میں ملک مصر میں بازار لگا کرتا تھا جہاں دُنیا جہان کے غلام اور کنیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ بازار اس وقت ساری دُنیا میں بہت مشہور تھا۔ امیر لوگوں کے ملازم دُور دُور سے آتے تھے اور اپنے آقاؤں کے لیے غلام خرید کر لے جاتے تھے۔ یرموک سے تھائیس کو ایک اونٹنی پر بٹھا دیا گیا اور دو روز کی مسافت کے بعد اسے مصر میں لایا گیا۔

مصر میں تھائیس ایک مکان میں بند کر دی گئی۔ بردہ فروش اُس روز کا انتظار کرنے لگے جس روز مصر میں غلاموں اور کنیزوں کی فروخت کا بازار لگنا تھا۔ تھائیس کی دیکھ بھال کے لیے ایک بوڑھی عورت رکھ دی گئی اور مکان کے باہر تلوار والے سپاہی کا پہرہ لگا دیا گیا۔ بوڑھی عورت تھائیس کا بہت دل بہلاتی مگر تھائیس ہر وقت غم زدہ رہتی۔ ایک روز اُس عورت نے کہا:

"تھائیس، تو کب تک اُداس رہے گی۔ اب تمھاری زندگی اسی طرح گزرے گی۔ تجھے چاہیے کہ پُرانی زندگی کو بھلا دے۔ اُسے یاد نہ کر۔ اب نئی زندگی کو قبول کرلے۔ اس لیے کہ یہی زندگی تمھاری اصلی زندگی ہے۔ تو اگر چاہے بھی تو یہاں سے کبھی آزاد ہو کر کہیں

بھاگ نہیں سکتی۔ اگر کنیز نے بھاگنے کی کوشش کی تھی، اُسے بردہ فروشوں نے قتل کر دیا اور لاش اِسی مکان کے صحن میں دفن کر دی۔"

یہ سُن کر ایک بار تو تھائیس کانپ گئی۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ جب سے اُس نے ربِّ عظیم پر اعتقاد کیا تھا اور وہ ایک ربّ پر ایمان لائی تھی۔ اُس کے اندر سے خوف اور موت کا ڈر دُور ہو گیا تھا۔ وُہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی۔ اُسے یقین تھا کہ وُہ ایک نہ ایک دن یہاں سے ضرور فرار ہو جائے گی۔ اُس کی قسمت میں کنیزوں اور غلاموں ایسی زندگی نہیں لکھی ہے۔ بوڑھی کنیز نے اُسے لاکھ ڈرایا تھا، دھمکایا تھا۔ مگر تھائیس پر اُس کا ذرّہ برابر بھی اثر نہیں ہُوا تھا۔ اُس نے بوڑھی عورت کو تو کچھ نہ کہا لیکن دل ہی دل میں ربِّ عظیم سے دُعا مانگی کہ وُہ اس کی مدد کرے اور اُسے ان بردہ فروشوں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائے۔

آخر وُہ دن بھی آ گیا جب مصر کے بازار میں غلاموں اور کنیزوں کی منڈی لگی۔ تھائیس کو بردہ فروش دوسری چُنی ہُوئی خوبصورت کنیزوں کے ساتھ لے کر منڈی میں آ گئے۔ ا... اسے ایک سجے سجائے چبوترے پر قطار میں بٹھا دیا گیا۔ ایک غلام نے کھڑے ہو کر کنیزوں کو باری باری پُکارنا شروع کر دیا۔ اپنی باری پر ایک کنیز آ کر چبوترے پر کھڑی ہو جاتی۔ غلام اُونچی آواز میں اُس کنیز

کے خاندان، اُس کی شرافت، وفاداری، خدمت گزاری اور اچھی عادتوں کی تعریف شروع کر دیتا۔ چبوترے کے سامنے کھڑے لوگ غلام کے لفظوں کو غور سے سُنتے اور پھر کنیز کو دیکھتے اور کوئی نہ کوئی بولی دے کر اُسے خرید لیتا۔

اسی طرح تھائیس کی باری بھی آ گئی۔

غلام نے تھائیس کی تعریف کرنی شروع کر دی کہ وُہ بڑے اُونچے خاندان کی عورت ہے۔ وُہ ایک شریف اور نیک عورت ہے۔ وُہ بہت محنتی عورت ہے۔ وہ کنیز بن کر گھر کا سارا کام کاج سنبھال سکتی ہے۔ وُہ بھُوکی رہ کر بھی کام کر سکتی ہے۔ اِس کا کوئی بچہ نہیں ہے جو اسے پریشان کرے اور جس کی خاطر وہ کام چور بن جائے مجمع میں کھڑے لوگ بڑے غور سے یہ سب کچھ سُن رہے تھے اور تھائیس کو بھی غور سے دیکھ رہے تھے۔ تھائیس ریشمی لباس میں بڑی بارُعب لگ رہی تھی اور اُس کے چہرے پر ایک وقار اور عظمت دِکھائی دے رہی تھی۔

مجمع میں سے ایک سیاہ فام آدمی آگے بڑھا جس کی ایک آنکھ کانی تھی، لیکن جس کے کانوں اور گلے میں بڑے قیمتی ہیرے جگمگا رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی ملک کا بہت امیر کبیر آدمی ہے۔ اُس نے بڑھ کر تھائیس کی بولی دس ہزار دی۔ ایک اور شہزادے نے بیس ہزار کر دی۔ سیاہ فام نے چالیس ہزار کی آواز

لگائی۔ بردہ فروش بڑا خوش ہو رہا تھا کہ اس کے مال کی زیادہ سے زیادہ قیمت پڑ رہی ہے۔ ہوتے ہوتے بولی ایک لاکھ بیس ہزار ریال پر جا کر رُک گئی۔ سیاہ فام کانے نے گردن فخر سے بلند کر کے چاروں طرف دیکھا جیسے کوئی ہے جو اس سے بڑھ کر بولی دے؟ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ شہزادہ بھی بھاگ گیا تھا۔

بردہ فروش نے بلند آواز میں چیخ کر کہا:

"ایک لاکھ بیس ہزار ریال ایک — ایک لاکھ بیس ہزار ریال دو — اور ایک لاکھ بیس ہزار ریال تین"

مجمع تالیوں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ بردہ فروش نے رقم گن کر اپنی جیب میں ڈالی اور تھائیس کو سیاہ فام کے حوالے کر دیا۔ سیاہ فام نے تھائیس کو اپنی خادماؤں کے حوالے کر دیا جو اُس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ تھائیس کو ایک سجی سجائی اونٹنی پر سوار کرایا گیا اور سیاہ فام اُسے لے کر شہر انطاکیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

انطاکیہ اُس زمانے میں ایک بڑا ترقی یافتہ اور بارونق شہر تھا اور مصر سے چھ دن اور چھ رات کے سفر پر تھا۔ دریائے نیرد شہر کے بیچ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ چھ دن کے تکلیف دہ سفر نے تھائیس کو تھکا کر ادھ مُوا کر دیا۔ انطاکیہ پہنچ کر اُسے ایک خوب صورت چھوٹے سے محل میں لے جایا گیا۔ اس محل میں جگہ جگہ خادم اور

کنیزیں چل پھر رہی تھیں۔ جس کمرے میں تھائیں کو ٹھہرایا گیا اُس کے باہر دالان میں ایک شاندار حوض تھا جس میں فوارہ لگا تھا اور پانی میں سُرخ اور نیلے رنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ تھائیں بے حد تھکی ہوئی تھی۔ اُس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور سو گئی۔ وہ سارا دن اور ساری رات سوئی رہی۔ دُوسرے روز اُٹھی تو بالکل تر و تازہ تھی۔ مگر اُس کا دل مُرجھایا ہُوا تھا۔ اِس لیے کہ وُہ اپنے گھر میں نہیں تھی بلکہ قید میں تھی۔ جہاں اُسے منڈی سے بھیڑ بکری کی طرح خرید کر لایا گیا تھا۔

دوپہر کے کھانے پر سیاہ فام کانا شہزادہ اُس کے ساتھ شامل تھا۔ وہ جنگلی بھالو کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ جانوروں کی طرح کھانا کھا رہا تھا۔ شوربہ اُس کی اُنگلیوں اور ہونٹوں کے کناروں پر سے بہہ رہا تھا۔ تھائیں کو یہ منظر دیکھ کر کانے شہزادے سے نفرت ہو گئی۔ کھانے کے بعد شہزادہ وہیں پاؤں پسار کر سو گیا۔ وہ خراٹے لینے لگا۔ اُس کے خراٹوں کی آواز سے کمرہ گونج اُٹھا۔ تھائیں نے اُس وقت ربِ عظیم کے آگے سجدہ کر کے دُعا مانگی کہ:

"اے رب! مجھے اس ظالم اور وحشی انسان سے بچا اور میرے ماں باپ کو مجھ سے ملا دے۔ تُو سب سے بلند اور سب سے افضل ہے تو ساری کائنات اور سارے انسانوں کا رب ہے۔ تیری ذات بے نیاز ہے اور تو سب کی دُعا سُنتا ہے۔ میری دُعا

بھی سُن اور مجھ پر اپنا رحم فرما کر مجھے واپس میرے وطن ماں باپ کے پاس پہنچا دے۔"

دُعا مانگ کر ستھائیس کو اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے ربِ عظیم نے اُس کی دُعا قبول کر لی ہے۔ شہزادہ سو رہا تھا اور زور زور سے اُسی طرح خراٹے لے رہا تھا۔ پھر اچانک وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ستھائیس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑا۔ اُس کے زرد دانت چیتے کے دانت معلوم ہو رہے تھے۔ اُس نے کہا:

"اے کنیز، تو خوش قسمت ہے کہ میں نے تجھے ایک لاکھ بیس ہزار سونے کے سکّے دے کر خریدا ہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی کنیز کے لیے اتنی رقم خرچ نہیں کی۔ لیکن میری خواہش تھی کہ میں تمہیں خرید کر اپنے گھر لاؤں اور اپنی بیوی بناؤں۔"

ستھائیس سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گئی۔ اُس نے دل ہی دل میں ربِ عظیم سے دُعا کی کہ اے ربِ عظیم میری عزت اور ناموس کی حفاظت کرنا۔ میں اپنے مرے ہوئے بدنصیب خاوند کی امانت ہوں۔ میں مرتے دم تک اپنے مرحوم خاوند کی امانت بن کر زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ سیاہ فام کانے شہزادے نے اُسی وقت محل میں سب کو بُلا کر اعلان کیا کہ وہ چاند کی پہلی تاریخ کو اپنی سب سے مہنگی اور سب سے چہیتی کنیز ستھائیس سے شادی کرلے گا۔

محل کی تمام کنیزوں اور غلاموں نے خوشی سے نعرے لگائے اور سیاہ فام کانے شہزادے کے لیے دُعائیں مانگیں اور مبارکباد پیش کی۔ تھائیس کی تو یہ اعلان سُن کر جان ہی نکل گئی۔ اُس نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ چاہے اُس کی جان نکل جائے وہ سیاہ فام کانے شہزادے کی قید سے ضرور نکل بھاگے گی۔ اِس مقصد کے لیے اُس نے ادھیڑ عُمر کی کنیز برامکہ کو چُن لیا۔ اُسے یہ معلوم ہو چُکا تھا کہ برامکہ شہزادے کی بیوی بھی رہ چُکی ہے۔ شروع شروع میں جب برامکہ خوب صورت تھی تو شہزادے نے اس کی بڑی ٹہل سیوا کی تھی۔ مگر اُس کے بوڑھی ہو جانے کے بعد اُسے پھر سے کنیز بنا لیا تھا۔

تھائیس نے نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہُوئے برامکہ کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ اُس نے ایک روز برامکہ کو پاس بُلا کر رونا شروع کر دیا۔ جب برامکہ نے کہا:

"تمہیں تو رونے کی بجائے خُوش ہونا چاہیے کہ تجھے اِس شہر کے سب سے دولت مند شہزادے نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اور وُہ تم سے بیاہ کر رہا ہے"

تھائیس نے کہا:

"اے برامکہ، تو عورت ہے اور ایک عورت ہی دوسری عورت کے دل کو ٹٹول کر اُس کا دُکھ درد سمجھ سکتی ہے۔ میں ایک شریف

ماں باپ کی بیٹی اور ایک محنتی ایماندار شخص کی بیوی ہوں۔ میرا باپ اور میرا خاوند میری یاد میں پریشان ہو رہے ہوں گے۔ تم ہی بتاؤ اگر تمہارا خاوند زندہ ہوتا تو کیا تم کسی دُوسرے مرد سے شادی کر سکتی تھیں ؟"

" ہرگز نہیں "

" تو پھر تم خود ہی اندازہ لگا لو کہ مجھے کس قدر صدمہ نہیں ہو رہا۔ مَیں اپنے خاوند کے ہوتے ہوئے کسی دُوسرے مرد سے کیونکر شادی کر سکتی ہوں !"

براکمہ نے نفرت سے کہا :

" خدا اِس کانے جنّ کو غارت کرے، اس کا تو کام ہی یہی ہے کہ نئی شادی کر کے پہلی بیوی کو ٹھکرا دے ۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اس سیاہ فام سے ایسا انتقام لیتی کہ یہ ساری زندگی یاد رکھتا اس نے میری زندگی بھی برباد کر کے رکھ دی ہے "

تھائیس نے فوراً گرم گرم لوہے پر چوٹ لگاتے ہوئے کہا :

" اگر تم اِس ظالم جنّ سے اپنی بربادی کا انتقام لینا چاہتی ہو تو میری مدد کر کے اُس سے بدلہ لے سکتی ہو۔ تم مجھے یہاں سے رہا کرا دو۔ کانا شہزادہ خود بخود تمہارے انتقام کی زد میں آ جائے گا "

براکمہ نے خوش ہو کر کہا :

" یہ بات تو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی "

"تو کیا تم میری مدد کر کے اُس سے بدلہ لے سکتی ہو ؟"

"ہاں، مَیں تمہیں یہاں سے فرار کروانے میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم یہاں سے نکل کر جاؤ گی کہاں ؟ تمہارا وطن موہنجوداڑو یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر ہے اور راستے میں بیس روز کا سمندر کا سفر بھی پڑتا ہے۔ تم اکیلی کہاں اور کیسے وہاں تک پہنچو گی ؟"

"براکہ، تم ایک بار مجھے یہاں سے نکلوا دو۔ پھر میرا ربِ عظیم میری اپنے آپ مدد کرے گا !"

"مَیں پوری کوشش کروں گی، بلکہ یہ کوشش بھی کروں گی کہ تمہیں کسی کے حوالے کر دوں جو تمہیں حفاظت سے تمہارے وطن پہنچا دے۔"

"اگر تم نے مجھے اس قید سے رہائی دلوا دی تو مَیں تمہارا احسان ساری زندگی نہ فراموش کر سکوں گی براکہ !"

"اس کی فکر نہ کرو ستھائیں" کانے سیاہ فام شہزادے سے میرا انتقام ہی میری سب سے بڑی خوشی ہو گی !"

براکہ اب اس ٹوہ میں رہنے لگی کہ ستھائیں کو کس طرح وہاں سے فرار کروا کر سیاہ فام ظالم جنّ کو اُس کی حماقتوں اور ظلم کا مزا چکھائے۔ اُس نے شہر بھر میں اپنے خاص جاسوس دوڑا دیئے کہ اگر کسی جگہ سے کوئی قافلہ ملک سندھ کی طرف جا رہا ہو

تو اُسے فوراً آکر اطلاع کی جائے۔

چاند کی پہلی تاریخ قریب آرہی تھی۔ تھائیس پریشان ہورہی تھی۔ اس نے ایک روز برامکہ کو چپکے سے پوچھا کہ اس نے کوئی بندوبست کیا ہے؟ برامکہ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ادھر سیاہ فام شہزادے نے تھائیس سے بیاہ کی تیاریاں زور شور سے شروع کر دیں۔ چاند کی پہلی تاریخ میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے کہ برامکہ نے شام کو آکر تھائیس سے کہا:

"تھائیس، مَیں نے معلوم کروایا ہے کہ ایک قافلہ یہاں کی ایک کاروان سرائے سے آج صبح صبح تمہارے وطن کی طرف روانہ ہورہا ہے۔"

تھائیس نے خوشی سے جھوم کر کہا:

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو برامکہ؟"

"ہاں تھائیس، میرے جاسوس کبھی غلط خبر نہیں دیتے۔ بس تم آج رات جلدی جلدی تیار ہو جاؤ۔ منہ اندھیرے میرا ایک خاص جاسوس تمہیں اس کاروان سرائے تک پہنچا دے گا۔ قافلے کے امیر سے بات چیت طے ہو گئی ہے اور ہم نے اُسے تمہارا کرایہ بھی ادا کر دیا ہے۔"

"میری اچھی بہن برامکہ! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولونگی!"

"یہ مَیں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں تھائیس، ہاں تمہیں مردانہ

لباس پہن کر ایک عرب تاجر کی حیثیت سے قافلے میں سفر کرنا ہوگا۔ ہم نے تمہارا نام العارف قافلے کے امیر کو بتایا ہے۔ تم عرب تاجر العارف بن کر قافلے والوں کے ساتھ سفر کرو گے۔"

"میں تیار ہوں براکہ، بالکل تیار ہوں۔ میں اپنے وطن جانے کے لیے اور اپنے ماں باپ کو ملنے کے لیے جانور بن کر بھی سفر کر سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں آدھی رات کو تمہارے کپڑے اور دوسرا ضروری سامان لے کر آؤں گی۔ تم تیار رہنا۔"

"میں تیار رہوں گی۔"

پُراَسرار مُسافر

براکہ چلی گئی تو تھائیس گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

وُہ آج رات وہاں سے فرار ہو رہی ہے۔ اُس کا دل خوشی سے نہال بھی ہو رہا تھا اور وہ پریشان بھی بہت تھی۔ خوش اِس لیے تھی کہ ایک ظالم کے پنجے سے نجات حاصل کر رہی تھی اور پریشان یہ سوچ کر تھی کہ اگر وہ پکڑی گئی تو ظالم سیاہ فام اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ براکہ کی بھی گردن اُڑا دے گا۔ کیوں کہ اُس کے ظلم کے قصّے وہ محل میں کنیزوں کی زبانی بہت سُن چُکی تھی۔ وُہ اپنے بستر پر لیٹی یہی سوچ رہی تھی۔ اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ رات آدھی گزر چُکی تو اُس کے دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ تھائیس سمجھ گئی کہ براکہ آ گئی ہے۔ اُس نے اُٹھ کر چُپکے سے دروازہ کھول دیا۔ براکہ ہاتھ میں مردانہ عربی لباس لیے اندر آ گئی۔

"جلدی سے یہ لباس تبدیل کر لو۔ باہر میرا خاص آدمی گھوڑے لیے تیار کھڑا ہے"۔

تھائیس نے کچھ بات کرنی چاہی تو براکہ نے کہا:

"دیوتاؤں کی قسم اِس وقت باتیں نہ کرو۔ جلدی سے لباس بدل لو۔ وقت بہت کم ہے۔ اگر محل میں کوئی جاگ پڑا تو مصیبت آجائے گی"

تھائیس نے کوئی بات نہ کی اور فوراً عربی لباس بدل لیا۔ اب وہ بالکل ایک عرب تاجر معلوم ہو رہی تھی۔ وہ عورت سے مرد بن گئی تھی۔

"میرے ساتھ آؤ"

تھائیس براکہ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ براکہ اُسے لے کر محل کے مختلف دالانوں اور برآمدوں سے گزر کر ایک خفیہ چور دروازے کا دروازہ کھول کر وہ تھائیس کو لے کر باہر آگئی۔ باغ کے ایک گوشے میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ تلے ایک حبشی غلام دو گھوڑوں کی باگیں تھامے اُن کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اُس کے قریب جا کر براکہ نے تھائیس کو ایک گٹھڑی دی اور کہا:

"اِس گٹھڑی میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ ایک جوڑا مردانہ کپڑوں کا ہے اور کچھ سونے کی اشرفیاں ہیں جو راستے میں تمہارے کام آئیں گی"

تھائیس نے براکہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

"براکہ، تم ایک بہادر عورت ہو۔ تم نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے۔ میں شاید زندگی بھر تمہیں اِس کا بدلہ نہ دے سکوں"

"مجھے تمہارے بدلے کی ضرورت نہیں تھائیس، میری یہی خوشی ہے کہ ہم نے ظالم سیاہ فام کانے کو شکست دی ہے اور تم ایک روز اپنے ماں باپ کے گھر پہنچ جاؤ گی۔ یہ ظالم مرد جو ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح خریدتے ہیں اور بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر ڈالتے ہیں۔ اِن کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے تھا۔ اچھا اب جاؤ۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔"

تھائیس گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ براکہ نے حبشی غلام سے کہا:

"تھائیس کو امیر کاروان کے حوالے کر کے واپس آنا اور خبردار کسی کو یہ راز معلوم نہ ہو کہ تھائیس عورت ہے۔"

"جو حکم براکہ شہزادی۔"

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں باغ سے نکل کر اُس کاروان سرائے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ایک قافلہ ملک سندھ کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ بہت جلد کاروان سرائے میں پہنچ گئے۔ حبشی غلام سیدھا امیر کاروان کے پاس پہنچا اور اُس سے کہنے لگا:

"اے امیر، ہمارا مسافر حاضر ہے۔"

امیر نے کہا:

"ٹھیک ہے، اسے قافلے میں شامل کر دو۔"

امیر کاروان نے سر سے پاؤں تک تھائیس کو دیکھا۔ اُسے ایک پل

کے لیے بھی اُس پر شک نہ ہوا کہ وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔
تھائیس نے بھی مردوں کی طرح جھک کر امیر کو سلام کیا اور کہا:
"مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھ ہمارا سفر بہت خوشی سے گزرے گا۔"

"ہمارا سفر ہمیشہ خوشی سے گزرتا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"العارف، مصر کا مشہور تاجر۔"

"بہت خوب، مگر تمہارا مال کہاں ہے؟"

تھائیس گھبرا گئی۔ مگر حبشی غلام نے فوراً کہا:

"میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ ان کا مال پچھلے قافلے میں آئے گا۔ ملک سندھ میں اِن کے بڑے بھائی کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے انہیں وقت سے پہلے سفر کرنا پڑ رہا ہے۔"

"ہاں ہاں یاد آیا۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔"

تھائیس کی جان میں جان آئی؛ ورنہ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ امیر کارواں کے سوال کا کیا جواب دے۔ حبشی غلام تھائیس کو کارواں سرائے میں دوسرے مسافروں کے درمیان چھوڑ کر جانے لگا تو بولا:

"اب میں جاتا ہوں۔ امید ہے آپ کا سفر بخیریت خوشی سے گزرے گا۔"

"تمہارا شکریہ اے وفادار انسان، براکمہ کو میرا سلام کہنا۔"

"بہت بہتر، دیوتا آپ کی حفاظت کریں"

حبشی غلام سلام کرکے چلا گیا۔ کاروان سرائے میں تھائیس دُوسرے مسافروں میں اکیلی رہ گئی۔ لیکن اُس نے سوچا کہ اگر وُہ چپ چاپ شرمیلی سی بن کر ایک طرف بیٹھ گئی تو ضرور لوگوں کو اُس پر شک ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ وُہ ایک عام مرد تاجر کی طرح دُوسروں کے ساتھ گھُل مِل کر باتیں کرے؛ چنانچہ اُس نے دُوسرے مسافروں کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ یہ قافلہ کافی بڑا تھا۔ سینکڑوں اونٹ تھے جن پر سامان لادا جا چکا تھا۔ گھوڑے بھی تھے جو پہرہ داروں کے لیے تھے۔ مسافروں میں سے زیادہ تعداد اُن کی تھی جو سِندھ کے ملک کو جا رہے تھے۔ تھائیس نے بہت جلد اُن کو اپنا دوست بنا لیا۔ ایک مُسافر نے تھائیس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

"یار تم تو نوجوان لگتے ہو۔"

تھائیس کا سارا بدن ایک ہاتھ مارنے سے ہِل گیا۔ مگر وہ جھوٹ مُوٹ کا مرد بنی ہنستی رہی اور بولی:

"مَیں نوجوان ہی تو ہُوں۔"

"مگر یار تمہاری ابھی مُونچھ ڈاڑھی نہیں نِکلی۔"

"میں اسے مُونڈھ ڈالتا ہُوں۔"

سارے مسافر کھِلکھِلا کر ہنس پڑے۔

"ارے یہ مرد کم اور لڑکی زیادہ ہے"

تھائیس کانپ گئی۔ کہیں ان لوگوں کو معلوم تو نہیں ہو گیا کہ وہ عورت ہے۔ مگر نہیں وہ مذاق کر رہے تھے۔ اُن میں سے اصل بات کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ رات کے پچھلے پہر قافلہ تیار ہو چکا تھا اور سرائے کے باہر اونٹ گھوڑے اور گدھے قطار باندھے کھڑے تھے۔ امیر کارواں نے آکر ایک بار سب کا معائنہ کیا — سارے مسافر اُونٹوں اور گدھوں وغیرہ پر سوار ہو چکے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو اونٹوں کے کجاووں پر بٹھایا گیا تھا۔ تھائیس کو ایک گدھے پر جگہ ملی تھی۔

امیر کارواں نے نوبت بجا کر قافلے کو کُوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ نوبت کے بجتے ہی قافلہ چل پڑا۔ ایک ایسے سفر پر جو طویل بھی تھا اور پُرخطر بھی۔ جس کے راستے میں صحرا بھی تھے اور سمندر بھی۔ جنگل بھی تھے اور چٹیل میدان بھی۔ تھائیس کے لیے یہ زندگی کا پہلا سفر تھا کہ وُہ عورت کی بجائے مرد بن کر سفر کر رہی تھی۔

قافلے میں وُہ تھائیس نہیں تھی ملکہ العارف نام کا ایک تاجر تھا جو مصر کے شہر سے ملک سندھ کو جا رہا تھا۔ قافلہ صبح منہ اندھیرے کا چلا ہُوا سارا دن سفر کرتا رہا اور رات کو اُس نے اپنی پہلی منزل پر پڑاؤ کیا۔ یہ منزل مصر سے دُور ایک نخلستان تھا جہاں سایہ دار درختوں کے جھنڈ تھے اور ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ قافلہ

یہاں رُک گیا۔ اُونٹ بیٹھ گئے اور اُن پر سے سامان اُتار دیا گیا۔ لوگوں نے منہ ہاتھ دھویا۔ تازہ دم ہو کر رات کا کھانا کھایا اور چھوٹے چھوٹے خیمے لگا کر شعلوں کی روشنی میں قہوہ پینے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تھائیس جن لوگوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اُن میں ایک شامی نوجوان نے زبردستی اُس سے دوستی کر لی تھی۔ اس کو ہرگز یہ معلوم نہیں تھا کہ العارف عرب تاجر ایک عورت ہے۔ وہ اُسے ایک مصری تاجر ہی سمجھتا تھا۔

شامی نے تھائیس کے ساتھ مل کر ایک بکرے کو ذبح کر کے بھُونا اور اُسے مل کر کھایا۔ پھر وہ تلخ قہوہ بنا کر پینے اور باتیں کرنے لگے۔ شامی نے کہا :

"بھائی عارف، ملک سندھ میں پہنچ کر تم کس شہر میں قیام کرو گے ؟"

تھائیس اُسے اپنا ٹھکانہ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اُس نے یُوں ہی جھُوٹ مُوٹ کہہ دیا کہ وہ ہاڑی پا نام کے شہر میں قیام کرے گی جہاں اُس کا ایک چچا ریشمی کپڑے اور گرم مصالحوں کا کاروبار کرتا ہے۔ وہاں اپنا مال فروخت کرنے کے بعد وہ ملک چین کی طرف نکل جائے گی۔ شامی تاجر نے بڑے اشتیاق سے کہا :

"ملک چین ایک بڑا حسین ملک ہے۔ وہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں اور سُنا ہے وہاں ریشمی کپڑے اور کستوری کا بڑا کاروبار ہے۔

کیا چین میں تمہارا کسی تاجر سے ملنا جلنا ہے ؟"

تھامیں کو خواب میں بھی علم نہ تھا کہ ملک چین کہاں ہے اور کیسا ملک ہے ۔ وہ زندگی میں کبھی وہاں نہیں گئی تھی ۔ پھر بھی اس نے اپنی بات رکھنے کے لیے کہا :

" ہاں میں کئی بار چین گیا ہوں ۔ وہاں پیکن شہر میں یوسف نام کا ایک تاجر میرا دوست ہے ۔ اگر تم چین جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو تم میرے ساتھ وہاں جا سکتے ہو ۔"

" اگر تم مجھے اپنے ساتھ چین لے چلو تو میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں گا ۔ مجھے ملک چین دیکھنے اور وہاں جا کر کاروبار کرنے کا بے حد شوق ہے ۔"

" ملک سندھ پہنچ کر تم مجھے ضرور ملنا ۔ ہم وہاں سے اکٹھے چین جائیں گے اور کاروبار بھی کریں گے اور اُس خوب صورت ملک کی سیر بھی کریں گے ۔"

" ضرور ، ضرور ، میں تمہارے ساتھ چلوں گا ۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہم بارٹی یا شہر سے کون کونسا مال لے کر چین جائیں گے ؟ مال ایسا ہونا چاہیے کہ جس کی وہاں کھپت ہو ۔"

تھامیں کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ چین میں کون سے مال کی کھپت ہو سکتی ہے ۔ لیکن یہاں بات کو جاری رکھنا بہت ضروری تھا ۔ اس نے یوں ہی کہہ دیا ۔

"ہم ہاڑی پا شہر سے تانبے کے برتنوں کا سامان اور کپڑا لے جا سکتے ہیں ۔"

یہ اُس نے یُوں کہہ دیا تھا کہ اُس نے دیکھا تھا کہ اُس کے شہر میں تانبے کا سامان اور کپڑا عام فروخت ہوتا تھا۔ شامی تاجر نے کہا کہ وُہ یہی مال لے کر چین جائیں گے۔ تھائیس اس نوجوان سے باتیں کرتے تنگ آگئی تھی اور اُسے بے حد نیند آ رہی تھی۔ مگر وُہ شامی تاجر بڑا باتونی تھا اور باتیں ہی کرتا چلا جا رہا تھا۔ آخر تھائیس نے کہا :

"شامی بھائی مجھے تو نیند آ رہی ہے ۔"

شامی نے بھی انگڑائی لے کر کہا :

"ہاں بھائی العارث ، مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے اب سو جانا چاہیے ۔"

اور وُہ خیمے کے باہر ہی چادر اوڑھ کر ریت پر سو گیا۔ تھائیس خیمے کے اندر چلی گئی اور ایک قالین پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئی ۔ اُسے نیند بھی آ رہی تھی مگر وُہ دل میں ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں سیاہ فام شہزادے کے جاسوس تیز رفتار اُونٹوں پر سوار اُس کا پیچھا کرتے ہُوئے وہاں نہ پہنچ جائیں ۔ اگر وُہ وہاں پہنچ گئے تو اُسے دُنیا کی کوئی طاقت اُن ظالموں کے پنجے سے نہ بچا سکے گی ۔ وُہ ضرور اُسے گرفتار کر کے لے جائیں گے کیونکہ اُن کے مالک نے ایک لاکھ بیس

ہزار ریال دے کر اُسے خریدا ہے۔ لیکن آخر اُسے نیند آ گئی۔

اُدھر جب دن چڑھا اور محل میں پتہ چلا کہ تھائیس غائب ہے تو چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ سیاہ فام شہزادے کو اِس کی خبر ملی تو وُہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے سارے محل کو سر پر اٹھا لیا۔ برائکہ کو بُلا کر اُس نے چیخ کر کہا:

"بتاؤ تھائیس کہاں ہے؟ مَیں نے اُسے تمہاری حفاظت میں دیا تھا"

برائکہ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"میرے آقا، رات میں اُسے پلنگ پر سُلا کر اپنے کمرے میں گئی تھی۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ وُہ راتوں رات کہیں بھاگ جائے گی تو میں اُسے کبھی اکیلا نہ چھوڑتی"

"تم جھوٹ بکتی ہو۔ تم نے خود اسے بھگایا ہے"

"ایسا نہیں ہے میرے آقا، مَیں تھائیس کو بھگا کر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ تھائیس خود ہی بھاگ گئی ہے۔ ہمیں اُس کی تلاش میں ابھی اپنے آدمی دوڑا دینے چاہئیں۔ وہ ابھی مصر کی سرحد کے اندر ہی ہو گی"

سیاہ فام شہزادے نے اپنے چھ برق رفتار گھوڑوں پر حبشی غلاموں کو سوار کروا کر حکم دیا کہ جاؤ۔ تھائیس کو تلاش کرو اور وُہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے گرفتار کر کے پیش کرو۔ چھ کے چھ حبشی غلام اپنے آقا

کا حکم سُن کر اسی وقت روانہ ہوگئے۔ سوال یہ تھا کہ کِدھر اُسے تلاش کریں؟ انہوں نے سرحد کے ساتھ ساتھ اپنے تمام جاسوسوں کو اطلاع کر دی۔ وُہ خود بھی سارا دن شہر میں تھائیس کو تلاش کرتے رہے۔ انہوں نے کونا کونا چھان مارا۔ تقریباً ہر گلی، ہر محلّے، ہر کاروان سرائے میں اُسے ڈھونڈا مگر وُہ انہیں کہیں نہ ملی۔ شام کو وُہ ناکام واپس لوٹے تو سیاہ فام شہزادہ اُن پر برس پڑا۔

"تم سارے کے سارے نمک حرام ہو۔ تم سے ایک کنیز نہیں تلاش کی گئی!"

حبشی غلام نے کہا:

"آقا، ہم نے شہر کا کوئی کونا ایسا نہیں چھوڑا جہاں اُسے تلاش نہیں کیا۔ وہ یقیناً شہر میں نہیں ہے آقا۔ وُہ ضرور کسی قافلے کے ساتھ مِصر سے نِکل چُکی ہے!"

کیا کل کوئی قافلہ یہاں سے باہر گیا تھا؟"

"معلوم ہُوا ہے آقا کہ پرسوں رات ایک قافلہ یہاں سے ملک سندھ کی طرف روانہ ہُوا تھا۔"

سیاہ فام نے گرج کر کہا:

"وُہ ضرور اُسی قافلے میں گئی ہے۔ تھائیس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سندھ کے ایک شہر موہنجو داڑو کی رہنے والی ہے۔ فوراً قافلے کو راستے میں پکڑ لو اور تھائیس کو گرفتار کرکے میرے سامنے پیش

کرو۔ اگر تم خالی ہاتھ آئے تو میں تمہاری گردنیں اُتار دوں گا۔"

حبشی غلاموں نے سر جھکا کر عرض کی:

"ہم ابھی سفر پر روانہ ہوتے ہیں ہمارے آقا اور تمائیس کو قافلے میں سے تلاش کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔"

"جاؤ دفع ہو جاؤ۔"

حبشی غلام گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس راستے پر روانہ ہو گئے جدھر قافلہ گیا تھا۔ سیاہ فام شہزادہ جوش کے عالم میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ جن غلاموں کو بھیج رہا ہے وہ خود بھی فرار ہو سکتے ہیں۔ حبشی غلام دن بھر سفر کرتے رہے۔ شام کو وہ ایک نخلستان میں رک گئے۔ یہاں انہوں نے ایک دیہاتی بدو سے قافلے کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ ہاں ایک قافلہ ایک روز پہلے وہاں ٹھہرا تھا۔

ایک غلام بولا:

"اگر ہم اسی طرح چلتے رہے تو قافلہ ہم سے ہمیشہ ایک منزل آگے رہے گا اور ہم اُسے کبھی نہ پا سکیں گے۔"

دوسرا بولا:

"تو کیا ہمیں دن رات گھوڑے پر بیٹھ کر سفر کرنا ہو گا؟"

"ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

چوتھے نے سانس بھر کر کہا:

"تمائیس خوش قسمت تھی کہ سیاہ فام ظالم آقا کے پنجے سے

آزاد ہوگئی ۔"

"اس نے عورت ہو کر ایسی دلیری سے کام لیا ہے اور ہم مرد ہو کر ایسا نہیں کر سکتے ۔"

"یہ سوچنے کی بات ہے بھائیو، ہمارا مالک ہم غلاموں پر بڑا ظلم کرتا ہے ۔ وہ ہم سے سارا سارا دن کھیتوں میں جانوروں کی طرح کام لیتا ہے ۔ ہم پر کوڑے برساتا ہے اور ہمیں کھانے کو بہت تھوڑا دیتا ہے۔ کیا ہم عورت سے بھی گئے گزرے ہیں کہ اُس کا ظلم سہہ رہے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہتے ؟"

"بھائیو، اِس وقت اگر ہم چاہیں تو اپنے ظالم آقا کی غلامی کی زنجیروں کو ہمیشہ کے لیے توڑ سکتے ہیں ۔"

"وُہ کیسے ؟"

"وہ ایسے کہ ہم ابھی سے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگیں اور تھائیس کا پیچھا چھوڑ دیں ۔ وہ ہماری کنیز بہن تھی۔ ہم اُسے کبھی گرفتار کر کے دوبارا غلام لونڈی نہیں بنائیں گے ۔"

"بڑا اچھا خیال ہے یہ ___ ہم آزاد ہیں ۔ ابھی سے آزاد ہیں ۔"
حبشی غلام اُٹھ کر ریت پر خوشی سے رقص کرنے اور آزادی کا ایک پُرانا گیت گانے لگے ۔ اُنھوں نے سیاہ فام کا فرمان پھاڑ کر پھینک دیا ۔ وُہ سوچنے لگے کہ اُنہیں کس طرف کا رُخ کرنا چاہیے سب سے بڑے غلام نے کہا کہ اُنہیں یہاں سے نکل کر ملک میں

کا رُخ کرنا چاہیے جو ایک آزاد ملک ہے اور جہاں غلاموں کی تجارت قانونی طور پر جرم قرار دی گئی ہے اور یوں وہ حبشی غلام جو کنیز تھا ئیس کو گرفتار کرنے گھر سے نکلے تھے خود آزاد ہو کر فرار ہو گئے ۔

پجاری کا قتل

●

ایک بھیانک سفر کے بعد عنبر ملک سندھ میں پہنچ گیا تھا۔

آخر اُسے وہ قافلہ مل گیا جو سندھ کے ریگستانوں سے ہوتا ہُوا موہنجو داڑو جا رہا تھا۔ چھ روز اور چھ راتوں کے سفر کے بعد وُہ موہنجو داڑو کے عظیم الشان شہر پہنچ گیا۔ وُہ موہنجو داڑو شہر کی صفائی، گلیوں، بازاروں اور مکانوں کی طرزِ تعمیر اور لوگوں کی خوش حالی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دو ہزار برس کے دوران میں وہ زندگی میں پہلی بار ایک ایسا شہر دیکھ رہا تھا۔ جس کے لوگ خوش حال تھے۔ جہاں مکانوں کی تعمیر کے لیے پکی ہُوئی اینٹیں استعمال ہوتی تھیں۔ جس کی گلیوں میں اینٹوں کے فرش لگے تھے اور جہاں گندے پانی کے نکاس کا نہایت اعلیٰ بندوبست تھا۔

مصر کے فرعونوں کے زمانے میں بھی وہاں کے شہروں میں ہر طرف گندگی پھیلی رہتی تھی اور جگہ جگہ گندے پانی کے جوہڑ بنے ہُوئے تھے۔ لوگ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے لیکن موہنجو داڑو شہر میں اُسے کہیں بھی گندے پانی کا ایک جوہڑ بھی نظر نہ آیا۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ عورتیں بچے اور جوان چیزیں خرید

رہتے تھے۔ اُن کے کپڑے صاف ستھرے تھے۔ اُن کے چہروں پر رونق تھی۔ کھیتوں میں کپاس کی فصل حیرت انگیز حد تک لہلہا رہی تھی۔ ایسی کپاس اُس نے مصر میں بھی نہ دیکھی تھی۔

عنبر ایک کاروان سرائے میں آ گیا۔ یہ کاروان سرائے بڑی صاف ستھری تھی۔ اُس کے مالک نے عنبر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور اُسے اُس کا کمرہ دکھایا۔ عنبر نے کھانے کے وقت مالک سے پُوچھا:

"کیا آپ لوگ دیوتا آمون کی پُوجا کرتے ہیں؟"

"ہاں، مگر کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟ تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"مَیں اِس شہر میں اجنبی ہُوں۔ مَیں ملک مصر سے آ رہا ہُوں"

"دیوتا تمہیں خوش رکھیں۔ موہنجو داڑو میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی"

"یہاں حکومت کس بادشاہ کی ہے؟"

"اے نوجوان تاجر، یہاں شہزادہ ارژنگ کی حکومت ہے۔ وُہ ہمارے مَرے ہُوئے بادشاہ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ارژنگ بڑا نیک اور پرہیزگار شہزادہ ہے۔ اُسے اپنی رعایا سے محبّت ہے"

"کیا اُس کی والدہ ملکہ زندہ ہے؟"

"نہیں ملکہ بھی مر چکی ہے۔ شہزادے کی پرورش اُس کی خالہ

نے کی تھی۔ اب بھی وُہی اُس کے ساتھ حکومت کے کاموں میں مدد دیتی ہے ؟

"مندر کے بڑے پُجاری کا رُتبہ کیا ہے ؟"

"وہ شہزادے کا روحانی باپ ہے۔ اُسی کے مشورے سے شہزادہ حکومت کا کام چلاتا ہے ؟"

عنبر سمجھ گیا کہ یہاں عملی طور پر پُجاریوں کی حکومت ہے اور چونکہ پُجاری بڑے پارسا اور نیک ہیں۔ اس لیے موہنجوداڑو ایک خوش حال اور پاکیزہ شہر ہے اور یہاں کے لوگ ایک دُوسرے کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

ابھی وُہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ بازار میں سے ایک جلوس گزرا۔ عنبر اُسے دیکھنے لگا۔ یہ جلوس ایک جنازہ تھا۔ معلوم ہُوا کہ شہر کا ایک امیر اور بوڑھا تاجر مر گیا ہے۔ لوگ اُسے جلانے لے جا رہے ہیں۔ تاجر کے جنازے کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جسے تاجر کے رشتے دار زبردستی کھینچے لیے جا رہے تھے۔ عنبر بڑا حیران ہُوا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اُس نے مالک سے پُوچھا :

"یہ لوگ اس لڑکی کو کیوں گھسیٹے لیے جا رہے ہیں ؟"

کارواں سرائے کے مالک نے گہرا سانس بھر کر کہا :

"اے نوجوان، یہاں ایک قبیلہ آریاؤں کا آباد ہے۔ اس قبیلے کے لوگ اپنی عورتوں کو خاوندوں کے ساتھ ہی آگ میں جلا دیتے

ہیں۔ یہ جو بوڑھا تاجر مرا ہے، اس نے ملک انطاکیہ کی ایک نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی۔ شادی کے چھٹے روز یہ مرگیا۔ اب اُس کے رشتے دار لڑکی کو زبردستی خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلانے لیے جا رہے ہیں"

"لیکن وُہ تو جلنا نہیں چاہتی۔ پھر اُس کے ساتھ زبردستی کیوں کر رہے ہیں؟"

"یہ اُن کے مذہب میں لکھا ہے کہ بیوی چاہے پسند کرے یا نہ کرے اُسے ہر حالت میں اپنے مَرے ہوئے خاوند کے ساتھ جَل کر مَر جانا ہوگا"

"کیا اس ظلم کو یہاں کا شہزادہ ارژنگ ختم نہیں کرسکتا؟"

"شہزادہ ارژنگ کسی قبیلے کے مذہب میں دخل نہیں دیتا۔ یہاں ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے انداز میں رسومات ادا کرنے کی پُوری آزادی ہے"

عنبر کو اس نوجوان لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ بوڑھے مُردہ تاجر کے ظالم رشتے داروں نے لڑکی کو رسیوں میں جکڑ رکھا تھا اور وُہ اُسے زبردستی کھینچے لیے جا رہے تھے۔ لڑکی رو رہی تھی۔ شور مچا رہی تھی۔ لوگوں سے مدد کی دہائی دے رہی تھی مگر کوئی اُس کی آواز پر کان نہیں دھر رہا تھا۔ ہر شخص اُسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس لیے کہ وہاں کسی کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔

اچانک عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر اُس نوجوان لڑکی کو ان ظالموں سے بچا لے گا جو اُسے ایک مُردہ احمق بوڑھے تاجر کی لاش کے ساتھ آگ میں جلانے لیے جا رہے تھے۔ اس کا ذکر اُس نے کاروان سرائے کے مالک سے نہ کیا۔ اُس کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ یہاں کے لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی کے مذہبی معاملات میں دخل دیا جائے۔ پھر بھی اُسے یقین تھا کہ شہر کے ہر شخص کی یہی خواہش ہے کہ اس بے گناہ لڑکی کو زندہ آگ میں جلائے جانے سے بچایا جائے۔ اس اعتبار سے عنبر کو بہت جلد عوام کی ہمدردیاں حاصل ہو سکتی تھیں۔

اُس نے کاروان سرائے کے مالک سے کہا :

"میں ابھی آیا۔"

"ارے میاں، تم کہاں جا رہے ہو ؟"

عنبر نے کہا :

"میں اِس ملک میں عورت کو خاوند کے ساتھ زندہ جلائے جانے کا تماشہ دیکھنے جا رہا ہوں۔"

"اچھا اچھا، ضرور جاؤ۔ یہ تماشہ تم نے اپنی زندگی میں کہیں نہیں دیکھا ہوگا ـــ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ کسی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا۔"

عنبر کارواں سرائے سے اُٹھ کر بوڑھے تاجر کے جنازے کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ جنازہ شہر کے بازاروں اور پُرپیچ گلیوں میں سے گزرتا ہُوا شہر سے باہر ایک میدان میں پہنچ کر رُک گیا جہاں لکڑیوں کی ایک چتا پہلے سے تیار کر دی گئی تھی اور پجاری بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے اور ڈھول بجا رہے تھے۔ جنازے کو دیکھ کر وہ زور زور سے ڈھول بجانے لگے۔ لڑکی کے رونے کی آواز ڈھول کی آواز میں دب کر رہ گئی۔ جنازہ چتا کے پاس رکھ دیا گیا۔ پجاری منتر پڑھنے لگے اور لڑکی کو چتا کے پاس ہی لکڑی کے ایک کھمبے سے باندھ دیا گیا۔

جنازے میں جتنے لوگ شامل تھے وہ ایک ایک کر کے لڑکی کے پاس جا کر اُس کے سر کا ایک بال نوچتے اور آگے چل دیتے۔ یہ بھی ایک رسم تھی جو ادا کی جا رہی تھی۔ عنبر بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا۔ جب وہ لڑکی کے پاس پہنچا تو اُس کے سر کا بال نوچنے کے لیے اُس کی طرف جھکا اور کان میں کہنے لگا:

"فکر نہ کرو، میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔"

لڑکی روتے روتے ایک دم رُک گئی اور اُس نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر کی آنکھوں میں ایک ایسی دلیوتا ؤں ایسی چمک پیدا ہو گئی تھی کہ لڑکی کو فوراً یقین آ گیا کہ یہ نوجوان اُسے بچا لے گا؛ مگر کیسے؟ یہ سوچ کر لڑکی پھر رونے لگی۔ اُس نے سوچا کہ شاید نوجوان نے اُسے خوش کرنے کے لیے ایسا کہا ہے۔ عنبر نے

لڑکی کا بال نوچا اور آگے نکل گیا۔ اب وہ یہ سوچنے لگا کہ لڑکی کو کیسے بچایا جائے۔ اچانک اُس کے ذہن میں بلطیس کی بہن کا خیال آگیا۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مصیبت کے وقت اُس کی ضرور مدد کرے گی۔

اِس خیال کے ساتھ ہی عنبر ان لوگوں سے الگ ہٹ گیا اور ذرا دُور جا کر ایک ویران سے پہاڑی ٹیلے کی اوٹ میں آگیا۔ یہاں آکر اُس نے دل ہی دل میں ایک دُعا پڑھی اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا:

"اے بلطیس کی بہن، مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر تو میری آواز سُن رہی ہے تو میری مدد کو آ اور اپنا وعدہ پُورا کر۔ تو نے مجھے کہا تھا کہ اگر مصیبت کے وقت مَیں تمہیں پکاروں گا تو تُو میری مدد کو ضرور آئے گی۔"

پہلی آواز پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ چوتھی بار پُکارنے پر پہاڑی پر ایک لرزہ سا طاری ہُوا اور بلطیس کی بہن ایک دیوی کی شکل میں اُس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ مُسکرا رہی تھی:

"میں جانتی ہُوں تم نے مجھے کس لیے بُلایا ہے اور اگر ایک بے گناہ لڑکی کی زندگی کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں کبھی نہ آتی۔"

"اگر تجھے سب کچھ معلوم ہے تو پھر اُس معصوم لڑکی کو ان ظالموں سے بچا۔ یہ لوگ اس بے گناہ کو آگ میں زندہ جلا رہے ہیں۔"

"میں ضرور اُس کی مدد کروں گی"
"مگر مدد کیسے کرو گی۔ اُن لوگوں کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اُن کے مذہب میں دخل دیا گیا ہے"
دیوی ہنس پڑی:
"تم بڑے بھولے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے سب کچھ معلوم ہے جسے تم نہیں جانتے۔ تم وہاں چتا کے قریب چل کر کھڑے ہو جاؤ اور تماشہ دیکھو کہ کیا ہوتا ہے"
اتنا کہہ کر بلطیس کی بہن غائب ہو گئی۔ عنبر وہاں سے چل کر ایک بار پھر چتا کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ لاش اور لڑکی کو جلانے کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ لڑکی کو چتا کی بڑی بڑی لکڑیوں کے ساتھ زنجیروں سے کس کر باندھ دیا گیا تھا تاکہ وہ بھاگ کر نہ جا سکے اور پوری طرح جل کر بھسم ہو جائے۔ پروہت منتر پڑھ رہے تھے پجاریوں کے غلام زور زور سے ڈھول تاشے پیٹ رہے تھے۔ لڑکی زور زور سے چیخیں مار رہی تھی اور بین کر رہی تھی۔ مگر اُس کی چیخوں کی آواز کوئی نہیں سُن رہا تھا۔
اب چتا میں گھی ڈالا جا رہا تھا۔ لاش کو چتا پر رکھ دیا گیا تھا۔ جب گھی میں ساری لکڑیاں تر ہو گئیں تو ایک پجاری دو پتھر لے کر چتا کو آگ لگانے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے دونوں پتھروں کو رگڑا۔ چنگاری نکلی، مگر لکڑیوں کو آگ نہ لگی۔ اُس نے کئی مرتبہ ایسا

کیا۔ مگر ہر بار لکڑیاں آگ پکڑنے سے انکار کر دیتیں۔ پجاری بوکھلا گیا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے دُوسرے پجاریوں کو بھی بُلا لیا۔ اب سارے لکڑیوں کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے تھے مگر لکڑیاں گیلے لوہے کے لٹھ بن گئی تھیں۔ کیا مجال کہ اُن پر آگ کا ذرا برابر بھی اثر ہو۔ سب سے زیادہ حیرانی اور خوشی بے گناہ لڑکی کو ہو رہی تھی۔ وُہ جو کچھ دیکھ رہی تھی۔ اُسنے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اب اُسے معلوم ہُوا تھا کہ اُس سنہری بالوں والے نوجوان نے اُس کے سر کا بال نوچتے ہُوئے کیا کہا تھا تو کیا وہ بچ جائے گی؟ اُس کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے تھے اور وُہ انتہائی تعجب کے ساتھ پجاریوں کو آگ جلانے میں ناکام ہوتے دیکھ رہی تھی۔

ایک پجاری نے زور زور سے کوئی منتر پڑھے اور کہا:

"دیوتا ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں۔ لاش کو یہیں رکھا جائے اسے کل آگ کے سپرد کیا جائے گا۔ اِس لڑکی کو بھی اسی جگہ زنجیروں میں جکڑا ہُوا رہنے دیا جائے گا"

باقی لوگوں نے پجاری کی بات پر ہاں کہہ دی اور سارے لوگ تاجر کی لاش اور لڑکی کو وہیں چتا پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اُس جگہ صرف چار آدمی پہرہ دینے کے لیے رہ گئے تھے۔ عنبر ایک جگہ کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر

بلطیس کی بہن کو ایک بار پھر بُلایا اور پُوچھا کہ اب کیا ہوگا اور یہ لڑکی اگلے روز کیسے بچ سکے گی؟ بلطیس کی بہن نے کہا:

"یہ کام اب تمہیں کرنا ہوگا۔ مَیں جو کچھ کر سکتی تھی وُہ مَیں نے کر دیا ہے۔ اب باقی تمہارا فرض ہے کہ تم کرو۔ دیوتا نگہبان ہوں"

اور اتنا کہہ کر بلطیس کی بہن غائب ہو گئی۔

عنبر وہاں اکیلا رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دیوی یہاں مجبور ہے۔ اگر وُہ کچھ کر سکتی تو ضرور اُس کی مدد کرتی۔ بہر حال عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وُہ اُس لڑکی کو اکیلا ہی مقابلہ کر کے بچائے گا۔ وہ کارواں سرائے میں آ گیا۔ سارا دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھا غور کرتا رہا کہ کس طریقے پر عمل کیا جائے۔ شام ہو گئی۔ پھر رات ہو گئی اور شہر میں کہیں کہیں مشعلیں جل اٹھیں۔ عنبر چپکے سے سرائے سے باہر نکلا اور اُس میدان میں آ گیا جہاں چِتا پر ایک لاش اور ایک زندہ لڑکی زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور جائزہ لینے لگا کہ پہریدار پُجاری کیا کر رہے ہیں۔ یہ چاروں پہریدار بڑے ہٹے کٹے تھے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے چِتا کے اردگرد گھوم پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ لڑکی بے چاری انتہائی بے بسی کی حالت میں چِتا پر لیٹی سسکیاں بھر رہی تھی۔ عنبر کو اس پر بے حد ترس آیا۔ اُس نے دل ہی دل میں ایک ترکیب سوچی اور درخت کی اوٹ میں

سے نکل کر چِتا کے پاس آکر رُک گیا۔

پہریدار پجاریوں نے اُس کی طرف دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اُن کی سُرخ آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔ بڑے پجاری نے پُوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"مَیں اِس لڑکی کو بچانے آیا ہُوں"

عنبر نے یہ بات بالکل صاف ہی کہہ دی تھی۔ پُجاری غصّے میں سُرخ ہو گئے۔ بڑے پجاری نے تلوار والا ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہُوئے کہا:

"اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گردن کاٹ کر پھینک دُوں گا"

لڑکی نے گردن موڑ کر دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اُس نے نوجوان کو پہچان لیا۔ مگر اِس کے ساتھ ہی اُس کے دل میں افسوس بھی ہُوا کہ ابھی اِس نوجوان کو پجاری تلواریں مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا:

"شاید تم لوگوں کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہُوئی ہے۔ تم میں سے جس کسی نے بھی تلوار اُٹھائی، وُہ اپنی ہی تلوار سے قتل ہو جائے گا"

بڈھے پجاری نے قہقہہ لگایا اور گرج کر کہا:

"اے کمینے ڈاکو، تو اپنے آپ کو کوئی جادوگر سمجھتا ہے؟ یہ میرا وار سہا"

اس کے ساتھ ہی پجاری نے تلوار والا ہاتھ عنبر کی گردن پر

بڑے زور سے مارا۔ تلوار پجاری کے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں بلند ہوئی اور پھر آندھی ایسی تیزی کے ساتھ آ کر پجاری کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ پجاری نے ایک بھیانک چیخ ماری اور خون میں لت پت زمین پر گر کر تڑپنے لگا! چتا پر لیٹی ہوئی لڑکی حیرت میں ڈوب کر نوجوان کو دیکھنے لگی۔ دُوسرے پجاریوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہوں نے اپنی اپنی تلواریں پھینکیں اور وہاں سے دُم دبا کر بھاگ گئے۔ پجاری تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہوگیا۔

عنبر لپک کر چتا کی طرف گیا اور اُس نے فوراً اُس کی زنجیریں کھولنی شروع کر دیں۔ لڑکی خوف زدہ سی ہو کر اپنے بچانے والے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وُہ اُسے کوئی بہت بڑا جادوگر خیال کر رہی تھی جو جب اور جس وقت چاہے دُوسرے انسان کو ہلاک کرسکتا تھا۔ عنبر نے لڑکی کو آزاد کرتے ہُوئے کہا:

"یہاں سے ہمیں جلدی بھاگ جانا چاہیے۔ پجاری دُوسرے لوگوں کو لے کر یہاں پُہنچ ہی رہے ہوں گے۔"

لڑکی بوکھلائی ہوئی تھی۔ اُسے ایک دم نئی زندگی مل گئی تھی۔ اگر یہ نوجوان اُس کی مدد کو نہ آتا تو وہ جل کر راکھ ہو چُکی ہوتی۔ عنبر اُسے ساتھ لے کر وہاں سے ٹیلے کی طرف بھاگ اُٹھا۔ ٹیلے کی دُوسری جانب ایک ڈھلان تھی جو ایک خشک نالے میں اُتر گئی تھی۔ وُہ دونوں اس نالے میں آ کر ایک طرف کو بھاگنے لگے —

کافی دُور تک بھاگتے رہنے کے بعد لڑکی تھک گئی۔ وہ ایک جگہ دم لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب اُن کا سانس ٹھیک ہُوا تو عنبر نے لڑکی سے پُوچھا:

"مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔ مَیں اِس شہر میں اجنبی ہُوں۔ تم کہاں کی رہنے والی ہو۔ کیا اِس شہر میں تمہاری کوئی ایسی عورت واقف ہے جہاں تم چُھپ سکو؟"

"یہ شہر میرا دشمن ہے۔ یہاں میں جس کے پاس بھی گئی وُہ مجھے پکڑ کر پجاریوں کے حوالے کر دے گا۔ ہاں یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے۔ وہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔"

"تو چلو وہیں چلتے ہیں۔"

لڑکی نے عنبر سے کہا:

"مگر تم میرے ساتھ کہاں مارے مارے پھرو گے؟ میری خاطر تم اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈال رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"نہیں! مَیں نے تمہارا بازو تھاما ہے تو اب مَیں تمہیں منزل تک پہنچا کر ہی دم لُوں گا۔ یہاں ٹھہرو، مَیں کہیں سے گھوڑوں کا بندوبست کرتا ہُوں!"

عنبر وہاں سے اُٹھ کر ایک قریبی دیہات میں گیا۔ وہاں ایک

کھیت میں دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے دونوں گھوڑوں کو کھول کر ساتھ لیا اور انہیں دوڑاتا ہوا وہاں لے آیا جہاں لڑکی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار کروایا۔ خود بھی سوار ہوا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اُس لڑکی کی رازدار سہیلی رہتی تھی۔

زہری سانپ

عنبر اُس بدنصیب لڑکی کو اکیلی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔
وُہ اُسے ساتھ لے کر سارا دن اور آدھی رات تک سفر کرتا رہا۔ پھر اُن کے گھوڑے اور وُہ خود بھی تھک گئے اور آرام کرنے کے لیے ایک جگہ ریت کے ٹیلے کے سائے میں لیٹ گئے۔ عنبر نے اُس لڑکی سے پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور اس تاجر کے ساتھ کیسے بیاہی گئی تھی۔ جب کہ تاجر بہت بوڑھا تھا اور وہ جوان ہے۔
لڑکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

"میرے ہمدرد نوجوان، تم نے میری جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ مَیں ایک نہایت غریب ماں باپ کی بیٹی ہُوں۔ میرے ماں باپ کاشت کار ہیں اور ایک زمیندار کی زمین کاشت کر کے اپنا اور میرا پیٹ پال رہے تھے۔ زمیندار کا قرضہ بہت زیادہ ہو گیا تو اُس نے دھمکی دی کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر اُس کا قرض ادا نہ کیا گیا تو وہ ہمارے مکان کو آگ لگا دے گا اور میرے ماں باپ کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لے گا۔ اس پر میرے ماں باپ رونے لگے۔ موہنجو داڑو کے اس تاجر

نے مجھے دیکھا ہوا تھا؛ چنانچہ اُس نے ایک لونڈی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر میری شادی اُس سے کر دی جائے تو وُہ میرے ماں باپ کا سارا قرض چکا دے گا۔ پس میرے ماں باپ شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔"

"اس سے بڑا اور ظلم نہیں ہو سکتا تھا"

"ظلم تو یہ تھا کہ تاجر کے مرنے کے بعد مجھے یہاں کی رسم کے مطابق مجبور کیا جا رہا تھا کہ مَیں بھی اپنے بوڑھے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ آگ میں جل مروں۔ میرے ماں باپ کو اِس کا کچھ علم نہیں ہے۔ اگر اُنہیں علم ہوتا کہ اُن کی بیٹی آگ میں اپنے مرے ہُوئے خاوند کے ساتھ زندہ جلا دی گئی ہے تو وُہ اِس صدمے سے زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ مگر مَیں دیوتاؤں کی مہربانی اور تمہاری ہمدردی اور بہادری کا شکریہ ادا کرتی ہُوں کہ میں اس آفت سے بچ نکلی اور آج اپنے ماں باپ کے پاس زندہ سلامت حالت میں جا رہی ہُوں۔"

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اُس روز سیر کرتے کراتے مَیں اُدھر آ نکلا؛ وگرنہ میرے بغیر تمہیں بچانا ناممکن تھا۔"

لڑکی نے ذرا تعجب کے ساتھ پُوچھا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ میری چتا کی لکڑیوں کو آگ کیوں نہیں لگی تھی! کیا تم نے کوئی جادو کیا تھا؟ کیا تم جادوگر ہو؟ تم نے یہ جادو

کہاں سے سیکھا ہے ؟ تم اِس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اِس لیے کہ
مَیں نے تمہارے جادو کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے "
عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ وہ اس بھولی بھالی لڑکی کو کیا جواب دے۔
وہ اُسے ہرگز ہرگز یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وُہ ہزاروں سال سے
زندہ چلا آرہا ہے اور یہ کہ وہ مصر کے فرعون کا بیٹا ہے یا یہ کہ
اُس کی مدد بلبلیس کی بہن نے کی ہے۔ اُس نے ذرا مُسکرا کر کہا :
" مَیں نے کوئی جادو نہیں کیا۔ لکڑیاں ہی گیلی تھیں جس کی وجہ
سے اُنہیں آگ نہ لگ سکی تھی "
لڑکی نے کہا :
" یہ غلط ہے ، لکڑیاں بے حد خشک تھیں۔ مَیں خود لکڑیوں پر لیٹی
ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ لکڑیاں اتنی خشک تھیں کہ اگر ایک
چنگاری بھی اُن پر گر پڑتی تو وہاں آگ بھڑک اُٹھتی۔ تم نے ضرور جادو
کیا ہے اور مجھ سے چھپا رہے ہو۔ تم بہت بڑے جادوگر ہو۔ آخر تم
کو سچ بات کہنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے ؟ "
عنبر کہنے لگا :
" تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے ؟ تمہاری
زندگی بچ گئی ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ خواہ یہ جادو
کے زور سے ہوا ہے یا کسی اور وجہ سے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اِس
بارے میں زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں "۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ اگر تم مجھے نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ ویسے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں آگ میں ڈالی جا رہی ہوں اور کسی نے آ کر مجھے بچا لیا ہے۔ آج میرا وہ خواب پورا ہو گیا ہے۔"

"تمہیں رب واحد کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"مگر میں تو اپنے دیوتاؤں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری جان بچانے کے لیے تمہیں یہاں بھیج دیا۔"

عنبر نے کہا:

"یہ تمہارا وہم ہے۔ تمہیں تمہارے دیوتاؤں نے نہیں بچایا بلکہ میرے رب عظیم نے بچایا ہے۔ دیوتا اگر تمہیں بچانا چاہتے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ سکتی تھی۔ دیوتا بیچارے تو خود مجبور ہیں۔ وہ کسی دوسرے انسان کی کیا مدد کریں گے؟"

لڑکی نے گھبرا کر کہا:

"ایسا نہ کہو، دیوتا ناراض ہو گئے تو وہ مجھے پھر سے آگ کے اندر جھونک دیں گے۔"

"میری بات مان لو لڑکی، دیوتاؤں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جو بت پتھر کا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی نہیں اڑا سکتا۔ وہ تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے۔ یہ میرا رب عظیم ہے جس نے تمہاری فریاد سنی اور تمہاری مدد کے لیے مجھے

وہاں بھیج دیا۔"

"کیا ربِّ عظیم دُعا سنتا ہے؟"

"کیوں نہیں، وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔ وہ اُس دُعا کو بھی سُنتا ہے جو تم اپنے دل میں دُہراتی ہو اور جس کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتی ہو۔"

"کیا ربِّ عظیم کا بھی کوئی بُت ہے؟"

"نہیں، ربِّ عظیم کا کوئی بُت نہیں ہے۔ اس کی ذات تمام بُتوں کو توڑ دیتی ہے۔ جس نے ربِّ عظیم سے محبّت کی اس نے تمام بُتوں کو دل سے مٹا دیا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تم بھی ایک ربِّ عظیم پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری، ہماری اور ہم سب کی نجات کا راستہ پوشیدہ ہے۔"

"مَیں تمہارے ربّ پر ایمان لاتی ہوں اے نوجوان، مگر مجھے یہ بتاؤ کہ مَیں اپنے ربّ کی عبادت کس طرح کروں؟"

"تم ربّ کی عبادت اپنے ماں باپ کی خدمت کر کے، اپنے بہن بھائیوں سے پیار کر کے، دُکھی لوگوں کی مدد کر کے اور بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھا کر اور ہمیشہ سچ بول کر اور اپنے دماغ کو ہر وقت پاکیزہ رکھ کر کر سکتی ہو۔ اس لیے کہ ربِّ عظیم کو عظمت سچائی اور پاکیزگی بڑی عزیز ہے۔ کیونکہ وہ خود سب سے عظیم ترین اور پاکیزہ ترین ہے۔ ہم اُس کی عظمت، سچائی اور پاکیزگی کا خیال

تک بھی نہیں کر سکتے ہم صرف اُس کی عبادت اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ اپنے خیالات اور دماغ کو سچے خیالات اور نیک خواہشات سے بھرا ہُوا رکھیں۔ کبھی جھوٹ نہ بولیں۔ کسی سے نفرت نہ کریں۔ بُرے خیال دل میں نہ لائیں۔ کسی سے حسد نہ کریں۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور پریشان حال لوگوں کی ہمیشہ مدد کریں"

"تمہاری باتیں میرے دل پر اثر کر رہی ہیں اے نوجوان، میں تمہارے خدائے واحد پر ایمان لاتی ہُوں اور اپنے دل میں بنے ہُوئے سارے پتھر کے بُتوں کو توڑ رہی ہُوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ربِ عظیم ہی ساری دُنیاؤں کا رب ہے اور وُہی ایک ہستی عبادت او شکر ادا کرنے کے لائق ہے"

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ ربِ واحد تمہارے ارادوں کو طاقت بخشے اور تمہیں نیکی، پرہیز گاری، سچائی اور پاکیزہ خیالات کی توفیق عطا فرمائے"

تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سو گئے۔ منہ اندھیرے عنبر کی آنکھ کھل گئی تو اُس نے دیکھا کہ صحرا کا ایک خطرناک اور بے حد زہریلا سانپ لڑکی کی گردن کے گرد کنڈلی مارے بیٹھا ہے اور لڑکی بے چاری کا پسینہ چھوٹ رہا ہے۔ وہ تھر تھر کانپ رہی ہے۔ مگر اُس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی۔ اُس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے اُبل کر باہر آگئی ہیں۔ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں عنبر کی

طرف دیکھ کر پھر آسمان کی طرف دیکھا۔

گویا کہہ رہی ہو :

"میرے لیے اپنے ربِ عظیم سے دُعا مانگو۔ اُس سے میری زندگی کے لیے مدد مانگو"۔

عنبر پریشان ہو گیا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ لڑکی کا ربِ واحد پر ایمان ڈگمگا نہ جائے اور کہیں وُہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائے کہ اپنے دیوتاؤں کی توہین کرنے اور ربِ واحد پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ زہریلا سانپ اپنی پتلی پتلی زہریلی دو شاخہ زبان نکال کر پھنکاریں مار رہا تھا۔ وُہ لڑکی کو ڈسنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

عنبر کچھ ہچکچایا، اس لیے کہ خواہ ہمیشہ کی زندگی اُسے مل چکی تھی۔ لیکن سانپ کو ہاتھ لگاتے ہوئے وُہ ہمیشہ گھبرا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اُس کا زہر ایک سیکنڈ کے اندر اندر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ ایک بار پہلے بھی عنبر کو ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔ وہ مرا تو نہیں تھا لیکن دو دن تک اس کا سارا بدن زہر کے اثر سے انگارے کی طرح دہکتا رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا :

"گھبرانا نہیں، خاموش بے حرکت لیٹی رہو اور خدائے واحد سے دُعا مانگو کہ وہ ہماری مدد کرے۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے، میں کروں گا"۔

لڑکی نے عنبر کی بات کا کوئی جواب تو نہ دیا لیکن اُس کی آنکھوں میں ایک احساس تھا کہ وہ سب کچھ سمجھ رہی ہے اور جس طرح وہ کہے گا اُسی طرح عمل کرے گی۔ لڑکی کا خدائے واحد پر ایمان ایک ہی رات میں بے حد پختہ ہو گیا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور ربّ عظیم سے دُعا مانگنے لگی کہ وہ اُس پر اپنا رحم کرے اور اُس کی جان بچائے اور اُسے ماں باپ اور بہن بھائیوں تک زندہ پہنچا دے۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگر سانپ نے ایک بار بھی اُسے ڈس لیا تو وہ زہر کے اثر سے فوراً ہلاک ہو جائے گی۔

عنبر نے سانپ کی چھوٹی چھوٹی جادو بھری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے گھورنا شروع کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سانپ کو ڈسنے کا موقع نہ دے۔ اس لیے کہ وہ دو روز اُس صحرا میں بخار چڑھا کر لیٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کے پاس ایسی کوئی دوائی بھی نہیں تھی کہ جسے پی کر وہ بخار سے نجات حاصل کر سکتا۔ عنبر نے سانپ کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے چپکے سے اپنا ایک ہاتھ سانپ کی طرف بڑھانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دو انگلیوں کو ہلا بھی رہا تھا۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ سانپ اُس کی حرکت پر توجہ دے گا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کو سانپ کے بالکل پاس لے گیا۔ سانپ نے اپنا سر اُٹھا رکھا تھا اور پتلی پتلی زبان بار بار پھنکار رہا تھا۔ لڑکی کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا اور دہشت سے اُس پر لرزہ طاری تھا۔ اُس کی آنکھیں

باہر کو نکلی جا رہی تھیں۔ عنبر نے یہ سوچ کر کہ کہیں خوف سے لڑکی کا دل ہی دھڑکنا بند نہ ہو جائے اُسے آہستہ سے سرگوشی ایسے لہجے میں کہا :

" گھبراؤ بالکل نہیں، حوصلہ رکھو۔ تم مر نہیں سکتیں "

اِس جملے نے لڑکی کو ایک نیا حوصلہ عطا کر دیا۔ وہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی۔ عنبر نے اپنا ہاتھ سانپ سے کوئی ایک گز کے فاصلے پر سے جا کر روک دیا۔ اب سانپ اور عنبر دونوں ماہر جادوگروں کی طرح ایک دُوسرے کو گھُور رہے تھے۔ سوال یہ تھا کہ پہلے حملہ کون کرتا ہے۔ اُس وقت اگر سانپ حملہ کر دیتا تو عنبر کو کاٹ کر وُہ دو دن کے لیے شدید بخار میں مُبتلا کر سکتا تھا اور اگر عنبر پہل کر دے تو وہ سانپ کو قابو کر سکتا تھا ! چنانچہ یہی ہُوا۔ عنبر نے پہل کر دی۔ اُس نے ایک دم اپنا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا اور ایک ہی جھٹکے میں اُس کی گردن دبوچ لی۔

سانپ اُس کی گرفت میں تڑپنے، پھڑکنے اور اپنے جسم کو سو سو بل دینے لگا۔ اُس نے لڑکی کی گردن چھوڑ کر عنبر کے بازو کے گرد اپنا سارا جسم لپیٹ لیا۔ سانپ میں بڑی طاقت تھی۔ عنبر کو اپنا ہاتھ ٹوٹتا محسوس ہُوا۔ اس کی انگلیوں میں خون کی گردش سُست پڑنے لگی تھی۔ اُس نے لڑکی سے کہا :

" جلدی سے کوئی پتھر لاؤ "

لڑکی جو کہ ایک منٹ پہلے سحر زدہ سا ہو کر خوف کے عالم میں

ریت پر چت لیٹی تھی۔ عنبر کو مصیبت میں پھنسا ہُوا دیکھ کر فوراً اُٹھی اور اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کے وہ کہیں سے ایک گول سا پتھر اٹھا لائی۔ عنبر نے کہا کہ وہ پتھر کو اُس کے پاس پھینک دے۔ لڑکی نے آہستہ سے پتھر عنبر کے پاس پھینک دیا۔ سانپ اتنا طاقت ور تھا کہ عنبر نے زندگی میں کبھی اتنا طاقت ور سانپ نہیں دیکھا تھا۔ یہ عنبر ہی کا کام تھا کہ وہ ابھی تک سانپ کی طاقت کو سنبھالے ہوئے تھا؛ وگرنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سانپ کب کا اُس کی کلائی توڑ کر اُسے ڈس چکا ہوتا۔ یہ اس قسم کا سانپ تھا کہ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ یعنی اُس آدمی کو اتنی بھی مُہلت نہیں ملتی کہ وہ اتنا ہی کہہ سکے کہ مجھے پانی دو۔

پتھر کے قریب کِھسک کر عنبر نے سانپ کی سری کو اس پر رکھ کر اُوپر سے اپنا پاؤں رگڑنا شروع کر دیا۔ سانپ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور وُہ مُردہ ہو کر عنبر کے ہاتھ میں لٹکنے لگا۔ عنبر نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور مُردہ سانپ کو ریت کے اندر دفن کر دیا۔ اُس نے لڑکی سے کہا:

"ربِ عظیم کا شکر ہے کہ اُس نے تمہاری جان بچائی۔"

"تمہاری جان بھی تو خدائے واحد نے بچالی۔ مَیں تو اُس ذات کا اِس لیے بھی شکریہ ادا کر رہی ہُوں!"

"کیوں نہیں، ہمیں ہر حال ہر عالم میں اُسی ذاتِ واحد کا

شکر ادا کرنا چاہیے "
" مگر یہ بتاؤ کہ تم نے سانپ کو ریت کے اندر کیوں دفن کر دیا ؟ اسے باہر رہنے دیتے تاکہ کوئی گِدھ اس کو کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا "
" مَیں طِب سے واقف ہُوں لڑکی، ہمیشہ یاد رکھو۔ اگر کبھی سانپ کو مارو تو اُسے فوری طور پر زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دو۔ کیونکہ اگر مُردہ سانپ کو کسی کُتّے، بلّے یا گِدھ نے کھا لیا تو وُہ اُس کے زہر کے اثر سے پاگل ہو جائے گا اور جس انسان کو کاٹے گا وہ بھی پاگل ہو جائے گا ۔ آؤ اب اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ مجھے تمہیں چھوڑ کر واپس موہنجو داڑو آ کر وُہ کام کرنا ہے جس کے لیے مَیں یہاں آیا ہُوں "
" خدائے واحد کے لیے ایسا نہ کرنا۔ موہنجو داڑو واپس نہ آنا۔ اگر اُنھوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری گردن اُتار دیں گے۔ وُہ لوگ تو پہلے ہی سے تمہاری تلاش میں ہوں گے "
" مَیں اُن سے خوفزدہ نہیں ہُوں۔ مَیں اگر ڈرتا ہُوں تو صرف اپنے رب سے ڈرتا ہُوں۔ مجھے کسی کی پروا یا خوف نہیں ہے۔ ویسے بھی پجاریوں نے رات کے اندھیرے میں میری شکل کو غور سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھے بالکل نہیں پہچان سکیں گے "
" جیسے تمہاری مرضی، لیکن اپنی جان کی حفاظت کرنا۔ ہر

انسان کا فرض ہے اور دیوتا بھی ..... معاف کرنا...۔"

عنبر ہنس پڑا :

"کوئی بات نہیں، شروع شروع میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ ایک بات میں تمہیں کھول کر بتا دینا چاہتا ہوں کہ جب انسان کو خدائے واحد پر بھروسہ اور ایمان ہو جاتا ہے وہ دُنیا کے ہر خوف، ڈر اور غم سے نجات حاصل کر جاتا ہے۔ یہ صرف ایک فِقرہ ہی نہیں بلکہ آزمائی ہُوئی بات ہے۔ ساری تاریخ اس کی گواہ ہے۔ اِس لیے تم میرے بارے میں ہرگز فکر نہ کرو۔"

اب صحرا میں صُبح کا ہلکا ہلکا اُجالا پھیلنے لگا تھا۔ انھوں نے چشمے پر مُنہ ہاتھ دھویا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو گئے لڑکی کا گاؤں وہاں سے آدھے دن کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ وُہ بغیر رُکے صحرا میں سفر کرتے رہے۔ دن کا دوسرا پہر ڈھل رہا تھا کہ دُور سے لڑکی کو اپنے گاؤں کے کچے پکے مکان نظر آئے۔ اُس نے خوشی سے جھُوم کر کہا :

"میرا گاؤں آگیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اس گاؤں میں داخل ہو رہے تھے۔ لوگوں نے لڑکی کو دیکھ کر سلام کیا۔ لڑکی عنبر کو ساتھ لے کر اپنے ماں باپ کے گھر میں آگئی۔ لڑکی کے ماں باپ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"عاتکہ! تم اکیلی کیسے آگئیں۔ تمہارا خاوند کہاں ہے؟ یہ نوجوان

کون ہے ؟"

" بابا جان، میں ابھی آپ کو ساری کہانی بیان کرتی ہوں "

لڑکی اپنی ماں سے لپٹ گئی اور پھر اُس نے الف سے لے کر یے تک اُنہیں ساری داستان سُنا ڈالی۔ بوڑھے ماں باپ نے عنبر کو پیار کے ساتھ گلے لگا لیا کہ اُس نے بہادری سے کام لے کر اُن کی بچّی کی جان بچائی۔ عنبر واپس جانا چاہتا تھا مگر اُنہوں نے اُسے روک لیا کہ وہ تھکا ہُوا ہے اور ایک دو راتیں ان کے ہاں آرام کر کے واپس جائے۔

عنبر راضی ہو گیا۔

آگ میں جلا دو

•

عنبر تیسرے روز عاتکہ کے ماں باپ سے رخصت ہو کر واپس موہنجو داڑو کی طرف چل پڑا۔

وہ دوسرے روز ہی صبح کو وہاں سے کوچ کر جانا چاہتا تھا مگر عاتکہ کے ماں باپ نے اُسے ایک روز اور ٹھہرا لیا۔ جاتے ہوئے اُس نے عاتکہ کے باپ سے کہا:

"آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو کچھ دنوں کے لیے اپنے کسی رشتے دار کے ہاں بھیج دیں۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کے مرحوم خاوند کے رشتے دار پجاریوں کے ساتھ مل کر بادشاہ کے سپاہی لے کر اُس کی تلاش میں نہ آ جائیں۔"

عاتکہ کے باپ نے کہا:

"بیٹے، ہم دُنیا میں اکیلے ہیں۔ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ ہم اِس بچی کو کسی کے ہاں بھجوا دیں گے۔ دیوتا ہم پر مہربان ہو گئے ہیں۔ وہ اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔"

اب عنبر اُن کو کیا کہتا کہ دیوتا اُن پر مہربان نہیں ہوئے بلکہ ربِّ عظیم نے اُن پر اپنا فضل کیا ہے۔ بہر حال اُس نے اِتنا ضرور کہا

کہ آنکہ کو زیادہ دیر باہر نہ نکلنے دیں اور زیادہ وقت گھر کے اندر ہی چھپا کر رکھیں۔ اتنا کہہ کر وہ واپس موہنجو داڑو کی طرف چل پڑا۔

ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد وہ موہنجو داڑو شہر کی سرحد میں داخل ہوگیا۔ وہ شہر کے شمال مغربی علاقے سے اندر داخل ہُوا تھا۔ اب وہ کاروان سرائے میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ پجاری کے قتل کے سلسلے میں بادشاہ کے سپاہی اُس کی تلاش میں وہاں ضرور آئے ہوں گے۔ اِس لیے کہ پجاریوں کو سلطنت میں بڑا اثر رسُوخ حاصل تھا اور حکمران شہزادہ بڑے پجاری کی بات کبھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ ویسے بھی اگر ایک قتل ہو جائے تو قاتل کو ضرور گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عنبر کو اگر کچھ خیال تھا تو صرف اِتنا کہ ہو سکتا ہے اُسے کوئی پہچان نہ سکے۔ لیکن یہ محض اُس کا وہم تھا۔ ایک پجاری نے اُسے مشعل کی روشنی میں بڑے غور سے دیکھ لیا تھا اور وہ اُسے ہر حالت میں پہچان سکتا تھا۔

اس پجاری کا نام سامبا تھا اور وہ بڑے پجاری کا بیٹا تھا۔ اُسے اپنے باپ کے قتل کا بڑا صدمہ ہُوا تھا اور وہ عنبر سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ جادوگر اور نجومی بھی تھا۔ اُس نے اپنے نجوم کے علم سے دیکھا کہ اُس کے باپ کا قاتل موہنجو داڑو کے شمال مغربی علاقے میں ایک ایسی جگہ موجود ہے

جہاں ایک تالاب بھی ہے۔

اس کا اندازہ اور نجوم کا علم بالکل درست تھا۔ عنبر واقعی جس جگہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب بھی تھا۔ پجاری سامبا نے شہر کے تمام تالاب کنارے کے مکانوں کو غور سے دیکھنا اور ان کی خفیہ خفیہ جاسوسی شروع کر دی۔ اسے شہزادے کی حمایت حاصل تھی۔ وہ جس وقت چاہے عنبر کو اپنے باپ کے قاتل کو گرفتار کر سکتا تھا۔ تلاش کرتے کرتے آخر ایک روز وہ اس تالاب کے پاس بھی پہنچ گیا جس کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں ایک کچا مکان تھا۔ یہ مکان ایک غریب کمہار کا تھا۔ عنبر اسی مکان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پجاری سامبا سارا دن تالاب کنارے چھپ کر بیٹھا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ اندر سے عنبر باہر آئے۔ عنبر اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ وہ تیسرے پہر کسی ضرورت کے ساتھ مکان سے نکل کر تالاب کے پاس آیا تو پجاری نے اسے فوراً پہچان لیا۔ اس کا چہرہ انتقام کی آگ سے بھڑک اٹھا۔ مگر وہ خاموش رہا اور چپکے سے وہاں سے نکل گیا۔

محل میں آکر اس نے بڑے پروہت سے بات کی کہ اس نے اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگا لیا ہے اور اب وہ اسے گرفتار کر کے شہزادے کے حضور میں پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے باپ کے قاتل کو سزا دی جائے۔ بڑے پروہت نے

شہزادے سے بات کی جس نے اُسی وقت حکم جاری کر دیا کہ بڑے پجاری کے قاتل کو تالاب والے مکان سے گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ دوسرے روز صبح صبح عنبر نہانے کے لیے تالاب پر آیا تو بادشاہ کی فوج سامنے کھڑی تھی۔ پجاری سامبا ان کے ساتھ تھا۔

"ٹھہر جاؤ"! فوج کے سردار نے کڑک کر کہا۔ "ہم تمہیں موہنجو داڑو کے بڑے پجاری کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے اور اس کمہار کے مکان کو بھی تہس نہس کر دیں گے۔"

عنبر کو اپنے ہلاک ہونے کی تو پروا نہ تھی مگر ہاں اُسے غریب کمہار کا خیال ضرور تھا جس نے اُسے ایک مسافر جان کر اپنے مکان میں پناہ دی تھی۔ اُس نے کہا:

"اگر تم لوگ مجھے یقین دلا دو کہ اِس غریب کمہار کو کچھ نہیں کہا جائے گا تو میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا۔"

فوج کے سردار نے کہا:

"ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس کمہار کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

عنبر نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا:

"تو مجھے گرفتار کر لو۔ میں گرفتاری کے لیے تیار ہوں۔"

پجاری سامبا نے چیخ کر کہا:

"اِسے زنجیروں میں جکڑ کر دربار میں پیش کرو۔"

سپاہی اپنے سردار کے حکم سے فوراً آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کو گرفتار کر کے زنجیریں ڈالیں اور گھوڑے پر بٹھا کر محل کی طرف چل پڑے۔ عنبر ایک بار پھر گرفتار ہو چکا تھا۔ اب اُسے موہنجو داڑو کے شہزادے اور بادشاہ کے دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ عنبر بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ کبھی نہ کبھی طرح شاہی دربار تک پہنچے۔ وہ اُن چھوٹے چھوٹے گھروں میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ شاہی محل میں داخل ہو کر بڑے پروہت نے پجاری کے قاتل کو دیکھا تو نفرت سے بولا :

" اس نوجوان نے ایک گھناؤنا جرم کیا ہے، اس نے ہمارے دیوتاؤں کے خاص پجاری کو قتل کیا ہے۔ اسے دیوتا کبھی معاف نہیں کریں گے۔ اسے ہم آگ میں زندہ جلائیں گے۔ اسے دربار میں پیش کرو۔ میں بادشاہ شہزادے سے خود کہہ کر اسے آگ میں ڈالوں گا۔"

سپاہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو لے کر شاہی محل کے قید خانے کی طرف چل دیئے۔ یہ قید خانہ محل کے نیچے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں تھا۔ عنبر کو اس کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ عنبر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے خدائے واحد کا تصوّر کیا اور آنکھیں بند کر کے اُس کی عبادت شروع کر دی۔ اس عبادت میں وہ اس قدر گم ہو گیا کہ اُسے اپنے گرد و پیش کی خبر ہی نہ رہی۔ اُسے بالکل محسوس نہ ہُوا کہ وہ ایک ایسی جگہ پر قید ہے جہاں ایک پل کے لیے ٹھہرنا

بھی مصیبت ہے۔ خدا سے محبت کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان ساری دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنے ارادے میں پختہ ہو جاتا ہے اور بڑی طاقت، عزم اور بڑی لگن کے ساتھ جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔

صبح عنبر کو موہنجو داڑو کے بادشاہ شہزادے کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اُدھر تاجر کے رشتے دار بھی بے خبر نہیں تھے۔ عاتکہ نے فرار ہو کر اُن کی اور اُن کے مُردہ رشتے دار تاجر کی رُوح کو تکلیف پہنچائی تھی۔ انہوں نے پجاری کے ساتھ مل کر سپاہیوں کا ایک دستہ حاصل کر لیا تھا جو عاتکہ کی تلاش میں راتوں رات اُس کے گاؤں کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ جس وقت عنبر موہنجو داڑو کی سرحد میں داخل ہوا تھا، موہنجو داڑو کی شاہی فوج کے سپاہی عاتکہ کے گاؤں میں داخل ہو چکے تھے۔ بوڑھے تاجر کے رشتہ دار اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے فوراً عاتکہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ لوگ مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ بوڑھے ماں باپ نے فوج کو دیکھ کر اپنی بیٹی کو ایک بہت بڑے ٹھنڈے تنور میں چھپا دیا تھا۔ مگر یہ تنور سپاہیوں کی آنکھ سے کیسے بچ سکتا تھا۔ ایک سپاہی نے تنور کے منہ پر سے گھاس کا گٹھا اٹھا کر پرے پھینکا اور اندر جھانک کر دیکھا۔ تنور کے اندر لڑکی عاتکہ چھپی بیٹھی تھی۔

" باہر نکل آؤ۔ تم شاہی مجرم ہو۔ تم نے بادشاہ کے قانون اور

اُس کے مذہب کی توہین کی ہے۔ ہم تمہیں بادشاہ کے قانون اور لوگوں کے مذہب کے نام پر گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عائکہ کو اُسی وقت گرفتار کر دیا۔ اُس کے ماں باپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہیں معلوم تھا کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت اُن کی بیٹی کو زندہ آگ میں جل کر مر جانے سے نہیں بچا سکتی۔ لڑکی چیختی رہی، چلاتی رہی، شور مچاتی رہی۔ مگر اُس کی فریاد کسی نے نہ سُنی۔ سپاہیوں نے اسے رسیوں سے باندھ کر اونٹ پر ڈال دیا اور واپس موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہو گئے۔

ساری رات اور سارا دن مسلسل سفر کرنے کے بعد سپاہی لڑکی کو لے کر موہنجو داڑو پہنچ گئے اور اُسے بڑے پروہت کے آگے پیش کر دیا گیا۔ کیونکہ لڑکی نے مذہب کے خلاف جرم کیا تھا اور مذہب کی ٹھیکیداری پروہت کے پاس تھی۔ بڑے پروہت نے طنزیہ انداز میں مُسکرا کر عائکہ کی طرف دیکھا۔

"اب تمہیں محسوس ہو گیا ہو گا کہ ہمارے مذہب کے خلاف گناہ کر کے تم دُنیا کے جس کونے میں جا کر چھپ جاؤ گی۔ ہمارے دیوتا تمہیں گرفتار کرانے میں ہماری مدد کریں گے۔"

لڑکی نے غصّے میں کہا:

"تمہارے دیوتا جھوٹے ہیں۔ میرا ربّ واحد ضرور میری مدد کرے گا۔"

سارے لوگ دیوتاؤں کی توہین سُن کر کانپ گئے۔ بڑے پروہت نے گرج کر کہا :

"کل اِس لڑکی کی زبان کھینچ لی جائے"

"تم لوگ مجھے جو چاہے سزا دے دو۔ مگر مَیں تمہارے دیوتاؤں کی ذرا پروا نہیں کرتی۔ تمہارے سارے دیوتا اور اُن کے پتھر کے بُت جھوٹے ہیں۔ سچّا صرف میرا ربّ واحد ہے۔ وُہی آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ وُہی سُورج کو طلوع کرتا اور غروب کرتا ہے۔ اُسی کے حُکم سے ہوا چلتی ہے اور زمین کے نیچے سے درخت کا بیج پَودا بن کر پھُوٹتا ہے۔ اُسی نے ...."

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا :

"لے جاؤ اِس گستاخ کو اور قید میں ڈال دو"

سپاہی عاتکہ کو گھسیٹتے ہُوئے محل کے قید خانے میں لے گئے اور اُسے ایک کال کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا۔ عنبر کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ جس جگہ وہ بیٹھا ہے اُس سے چار کوٹھڑیاں چھوڑ کر بے چاری عاتکہ بھی قید ہے۔ وہ عاتکہ ــــ جس کی زندگی بچانے کے لیے اُس نے بے پناہ جُراَت کا کام کیا تھا اور پجاری کو قتل کر کے اب آگ میں زندہ ڈالے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

ساری رات عنبر نے خدائے واحد کی عبادت میں گزار دی۔ اسے صبح ہونے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس لیے کہ اُس کوٹھڑی میں کوئی

کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ دوسری طرف عاتکہ کو بھی علم نہ ہو سکا کہ صبح ہو گئی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اُس سے تین کوٹھڑیاں چھوڑ کر اُس کا محسن قید کے عالم میں پڑا ہے۔

عنبر کی کال کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور دو زرہ پوش سپاہی کلہاڑے کندھوں پر رکھے اندر داخل ہوئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔ دوسری جانب لڑکی کی کال کوٹھڑی میں بھی سپاہی آئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ موہنجو داڑو کے بادشاہ شہزادے کا دربار لگا ہوا تھا۔ سارے درباری قطار باندھے کھڑے تھے۔ بڑا پروہت ہاتھ میں چاندی کا ڈنڈا لیے اُس کے سہارے کھڑا تھا۔ اُس کے سر کے بال مونڈے ہوئے تھے اور کھوپڑی پر ملا ہوا زیتون کا تیل چمک رہا تھا۔

شہزادہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ دربار میں سناٹا طاری تھا۔ تخت کے پاس ایک سبز نیلے پروں والا مور اپنے پنکھ پھیلائے رقص کر رہا تھا۔ شہزادے کو موروں سے بہت پیار تھا اور وہ ایک مور ہر وقت دربار میں اپنے پاس رکھتا تھا۔ اتنے میں دربار ڈھول تاشوں اور نفیریوں کی آوازسے گونج اٹھا۔

دربان نے بلند آواز میں کہا:

"شہزادہ سلامت تشریف لا رہے ہیں۔ نگاہ روبرو، گردن خم، آواز گم، شہزادہ جاہ وحشم، دیوتاؤں کے پاسبان تشریف لا رہے ہیں۔"

شہزادہ اپنی خالہ ملکہ کے ساتھ زرق برق لباس میں ملبوس انتہائی قیمتی ہیرے جواہرات کا تاج سر پر رکھے دربار میں نمودار ہُوا سارے درباری جُھک گئے۔ شہزادہ تخت پر آ کر اپنی خالہ ملکہ کے برابر بیٹھ گیا۔ دربار پر ابھی تک سناٹا طاری تھا۔ بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر سر جُھکایا اور کہا:

"حضُور پُر نوُر کی خدمت میں مَیں بڑے پُجاری کے قاتل اور دیوتاؤں کی توہین کرنے والی لڑکی کو پیش کرنے کی اجازت طلب کرتا ہُوں"

شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے حُکم دیا کہ اجازت ہے۔ بڑے پروہت نے اپنا چاندی کا ڈنڈا ذرا سا زمین پر مارا۔ فوراً ایک دروازہ کُھلا اور زنجیروں میں جکڑے ہُوئے عنبر کو دربار میں لا کر ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ بڑے پروہت نے دُوسری بار چاندی کے ڈنڈے کو زمین سے ٹکرایا۔ دوسرا دروازہ کُھلا اور زنجیروں میں جکڑی ہُوئی ناگنہ اندر داخل ہوئی۔ عنبر اُس لڑکی کو اور وہ لڑکی عنبر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وُہ اِس حالت میں وہاں ملیں گے۔ عنبر کا خیال تھا کہ وُہ اکیلا ہے اور ناگنہ کا خیال تھا کہ وہ اکیلی ہے۔ دربار میں وہ ایک دوسرے سے بات نہ کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دُوسرے کو دیکھا اور بے کسی و مجبوری کی حالت میں سر جُھکا لیے۔ بڑے پروہت نے

شہزادے کے تخت کے پاس جاکر ایک بار پھر سر جھکایا اور کہا :

" دونوں ملزم حاضر ہیں شہزادہ سلامت "

شہزادے نے کہا :

" پہلے اس لڑکی کو پیش کیا جائے جس نے ہمارے مقدس دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور اپنے خاوند کے ساتھ زندہ آگ میں نہ جل کر ہمارے مذہب کی خلاف ورزی کی ہے "

بڑے پروہت نے دربار کی طرف دیکھ کر کہا :

" لڑکی کو پیش کیا جائے "

فوراً دو سپاہی عائکہ کو لے کر آگے بڑھے اور اُسے تخت کے سامنے کھڑا کر کے واپس اپنی جگہوں پر چلے گئے ۔ شہزادے نے بڑے غور سے عائکہ کو دیکھا اور اُس سے کہا :

" اے لڑکی ، تمہارا نام کیا ہے ؟ "

" عائکہ "

ربّ واحد پر ایمان لے آنے کے بعد عنبر نے محسوس کیا کہ لڑکی کی آواز میں ایک رُعب اور دبدبہ آگیا تھا ۔ جس طرح دُوسرے درباری دربار میں سہمے ہوئے کھڑے تھے ، عائکہ اس کے برخلاف بڑی بہادری اور جُرأت کے ساتھ کھڑی شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی ۔

شہزادے نے کہا :

"کیا تم بوڑھے تاجر کی بیوی تھیں ؟"

"جی ہاں ، شہزادہ سلامت !"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے اپنے مُردہ خاوند کے ساتھ آگ میں نہ جل کر اِس مُلک کے مذہب کے خلاف ایک ایسا جُرم کیا ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا !"

"مَیں نے کوئی جُرم نہیں کیا شہزادہ سلامت !"

سارے درباری کانپ کر رہ گئے ۔ شہزادے نے کہا :

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس جُرم کی سزا موت ہے ؟"

"جانتی ہُوں شہزادہ سلامت !"

"پھر تمہیں موت سے خوف نہیں تھا جو تم نے ہمارے مقدس دیوتاؤں اور مذہب کی توہین کی ؟"

"مَیں مَوت سے نہیں ڈرتی شہزادہ سلامت ، میرا ایمان جس ربِ عظیم پر ہے وُہ ایک نیک انسان کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے مَیں آپ کے جھُوٹے دیوتاؤں کی قید سے آزاد ہو چُکی ہُوں !"

دربار میں موجود شہزادہ اور اُس کی خالہ سمیت سبھی لوگ خوف سے لرز گئے ۔ ان کے مطابق وہ لڑکی کُفر کہہ رہی تھی ۔ شہزادے نے بڑے پروہت کی طرف دیکھ کر کہا :

"اِس گستاخ لڑکی کو لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر اُس میں گھاس بھر کر شہر کے دروازے میں لٹکا دو !"

"جو حکم بادشاہ سلامت" بڑے پروہت نے خوش ہو کر کہا اور سپاہی لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے۔ اب عنبر کو دربار میں پیش کرنے کی باری تھی۔ عنبر ہر قسم کی مصیبت اور طوفان کے لیے تیار تھا۔ مگر وہ اس بے گناہ لڑکی کی تکلیف برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے حسرت بھری نظروں سے لڑکی کو دیکھا کہ وہ رو رہی ہے اور وحشی سپاہی اُسے گھسیٹتے ہوئے قید خانے کی طرف لیے جا رہے تھے۔

کیا بے گناہ لڑکی کی کھال کھینچوا دی گئی؟ کیا تھائیس واپس موہنجو داڑو اپنے ماں باپ کے گھر پہنچ گئی؟ عنبر نے دربار میں کیا کیا کرامت دکھائی؟ دیوی بلطیس کی پُراسرار بہن سے اُس کی ملاقات کن حالات میں ہوئی؟

یہ سب کچھ آپ اس ناول کے چھٹے حصے "ہڑپہ کا شیش ناگ" میں پڑھیے۔

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——
ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——
تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——
یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔
—— ۱۰۰ قسطوں میں ——
ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان
ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پورا ناول
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور